کرن داؤد بٹ

اہل بلوچستان کی جامعات میں اُردو تحقیق

اہل بلوچستان نے جامعاتی سطح پر اُردو تحقیق (ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی) کو مختلف ادوار میں فروغ دیا۔ اس لیے ان کے محرکات ورجحانات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جسے درج ذیل جائزے میں پیش کیا جارہا ہے۔

۲۰۰۶ء سے پہلے بلوچستان میں ایم اے اردو کی سطح پر مقالات لکھنے اور لکھوانے کی کوئی روایت موجود نہیں تھی۔ کیوں کہ جامعہ بلوچستان کے قیام کے اڑتیس سال بعد تک اس سطح پر مقالہ نویسی کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا اور اس کے متبادل کے طور پر مضمون نویسی کا پرچہ رکھا گیا جس میں سو نمبر کے مساوی مضمون لکھنے کی مہارت پر توجہ کی جاتی تھی۔ ہائیر ایجوکیشن کمیشن آف پاکستان اسلام آباد کے ایما پر پاکستانی جامعات میں ایم اے میں مقالہ نویسی کو اگرچہ لازمی قرار دیا گیا تھا لیکن پاکستانی جامعات نے اس ضابطے کو اس کی روح کے مطابق نافذ کرنے کے بجائے اپنے حالات اور طالب علموں کی علمی اور قلمی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے قواعد وضع کیے۔ یوں جامعہ بلوچستان میں بھی اسی پس منظر میں ۲۰۰۸ء میں ایک پرچہ ''تھیس/ مقالہ'' کا آغاز کیا گیا۔ ایم اے، کی سطح پر اس وقت موجود سال اول و دوم کے لیے الگ الگ تحقیقی موضوعات کا انتخاب کر کے یہ ذمہ داری طالب علموں کو سونپی گئی کہ وہ مقرر کردہ عرصے میں اپنی تحقیق کو مکمل کر کے مقالات امتحان کے لیے جمع کرائیں۔ لہٰذا سال اوّل کے جو مقالات امتحان کے لیے داخل کرائے گئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

شمار	نام طالب علم	موضوع	نگران
۱۔	حفیظ اللہ	میر کی زندگی اور کلام میں عشق کی اہمیت	افشاں قاضی
۲۔	حنا امتیاز	انارکلی کے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ	تنزیلہ ناز
۳۔	ذکیہ نیاز	غالب کے صوفیانہ تصورات	مسعود دانیال طریر
۴۔	راشدہ علی	رومانوی تحریک ایک سرسری جائزہ	شگفتہ ضیاء
۵۔	سفر علی	میر انیس کے مرثیے کی خوبیاں	شگفتہ ضیاء
۶۔	شفیع اللہ ناز	سعادت حسن منٹو ناقدین کی نظر میں	تنزیلہ ناز

۷۔	صالحہ	میر گل خان نصیر فن اور شخصیت	تنزیلہ ناز
۸۔	عالم اقبال	سرسید کے اخلاقی مضامین	افشاں قاضی
۹۔	عبدالمجید	نظم اور نظیر اکبر آبادی	شگفتہ ضیاء
۱۰۔	عقیل احمد	جوش ملیح آبادی فن و شخصیت	افشاں قاضی
۱۱۔	فوزیہ سرور	طنز و مزاح کی اہمیت اور پطرس کا اسلوب مزاح	افشاں قاضی
۱۲۔	نقیب اللہ	غالب کی مشکل پسندی، وجوہات پر ایک نظر	مسعود دانیال طریر
۱۳۔	مختار احمد	احمد ندیم قاسمی کے افسانے پر ترقی پسند تحریک کے اثرات	ڈاکٹر خالد محمود خٹک

یہ مقالات اپنی ساخت کے اعتبار سے روایتی تنقیدی مضامین جیسے ہیں۔ جن میں متعلقہ موضوعات پر مواد کی جمع آوری کے علاوہ کسی اور تحقیقی عمل کا سراغ نہیں ملتا۔ رسم کتابت/ نوری نستعلیق کمپوزنگ اور جلد بندی کے لیے کسی مقررہ معیار کی پیروی بھی نظر نہیں آتی۔ اسی سال (۲۰۰۸ء) جو کلاس فائنل میں تھی اس کے طلبا سے ان موضوعات پر مقالے لکھوائے گئے۔

شمار	نام طالب علم	موضوع	نگران
۱۔	حق نواز	بلوچستان کی اردو شاعری پر عطا شاد کے اثرات	مسعود دانیال طریر
۲۔	رحمت اللہ	بلوچستان میں اردو شاعری کے ابتدائی آثار	ڈاکٹر خالد محمود خٹک
۳۔	سید نوران شاہ	بلوچستان میں افسانہ نگاری اور خادم مرزا	ڈاکٹر خالد محمود خٹک
۴۔	ضیاء اللہ	علامہ محمد اقبال ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی نظر میں	شگفتہ ضیاء
۵۔	عدیل طارق	عابد شاہ عابد، بحوالہ گلزار عابد	ڈاکٹر خالد محمود خٹک
۶۔	محمد اسلم	انور رومان کی ادبی خدمات	ڈاکٹر خالد محمود خٹک
۷۔	محمد ذکریا	نور محمد ہمدم کی اردو شاعری	مسعود دانیال طریر
۸۔	منصور اختیار	بلوچستان کی اردو شاعری میں یوسف عزیز مگسی کا حصہ	ڈاکٹر خالد محمود خٹک
۹۔	مہر جان	بلوچستان میں بچوں کا ادب اور عین سلام	شگفتہ ضیاء
۱۰۔	نادر علی	رب نواز مائل کی شاعری میں صوفیانہ عناصر بحوالہ ''پتھر کی میلی آنکھ''	مسعود دانیال طریر

۲۰۰۸ء کے بعد یہ عمل عارضی طور پر یوں موقوف ہو گیا کہ مقالہ نگاری کی بجائے طلبہ کو زبانی امتحان اور مضمون نویسی کے پرانے نظام کی طرف دھکیل دیا گیا۔ یہ صورت حال ۲۰۱۱ء تک جاری رہی۔ ۲۰۱۲ء میں عملِ تحقیق کی تجدیدِ نو کا کام پھر سے شروع ہوا۔ ۱۸ طالب علموں نے اس سال مقالات تحریر کیے۔ لیکن ان

مقالات یا ان کی کوئی فہرست موجود نہیں ہے۔ یہ مقالات اگر محفوظ کر لیے جاتے تو جامعہ بلوچستان کی یہ روایت اپنی اثر انگیزی کا دائرہ مزید پھیلا سکتی تھی۔صدر شعبہ سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق یہ عمل آئندہ مستقل بنیادوں پر جاری رہے گا۔اوراس تجویز کو بھی قابلِ عمل بنایا جائے گا کہ مقالات کو نہ صرف محفوظ کیا جائے بلکہ ان کو محفوظ کرنے کے لیے انھیں مجلد کروایا جائے، نیز ان کی نقول جامعہ کے مرکزی کتب خانے اور شعبۂ اردو میں موجود رہیں تا کہ شعبے کے طالب علم اور بیرون شعبہ محققین وقارئین ان سے استفادہ کر سکیں۔

شعبۂ اردو ایس بی کے وومنز یونیورسٹی بلوچستان کوئٹہ میں پہلے سیشن کے لیے داخلہ مارچ ۲۰۰۵ء میں شروع کیا گیا۔جس کے چوتھے سمسٹر اگست ۲۰۰۶ء میں ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد چار طالبات کا مقالہ نویسی کے لیے انتخاب کر کے باقاعدہ عملی تحقیق کا آغاز کیا گیا۔انھوں نے اپنے مقالات معینہ تاریخ ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء سے قبل امتحان کے لیے پیش کر دیے۔ یہ بلوچستان میں ایم اے کی سطح پر اردو کے اولین مقالات تھے۔اس سال جن طالبات نے مقالات تحریر کیے ان کے نام، موضوعات اور نگران کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ریحانہ نذیر: راجہ گدھ کے کرداروں کے معاشرتی رویے، نگران، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن۔
۲۔ سعدیہ نذیر: شعبہ اردو ایس بی کے وومنز یونیورسٹی کی روایات قیام سے ۲۰۰۶ء تک، نگران، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن۔
۳۔ معصومہ علی: عطا شاد کی اردو شاعری کے موضوعات (سنگ آب کے تناظر میں)، نگران، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن۔[۱]
۴۔ مہوش منیر: محمد حسن براہوی کی اردو شاعری، نگران، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن۔

چوں کہ شعبۂ اردو کے قیام کو مقالہ نگاری کے آغاز تک دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے اور جن اساتذہ کا تقرر کیا گیا تھا وہ خود جس نظام تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شعبہ اردو میں تعینات ہوئیں تھیں، اس میں عملی تحقیق نہیں تھی۔ اس لیے بھی انھیں مقالہ نویسی اور عملی تحقیق کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔صرف ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن جو اس وقت شعبہ اردو سے وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر منسلک تھے، وہ اپنی نگرانی میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھوانے کی مشق رکھتے تھے۔لہٰذا شعبے اور جامعہ کی سطح پر سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ فی الوقت چاروں طالبات کی نگرانی کا فریضہ ڈاکٹر صاحب کو سونپ دیا جائے۔اس وقت شعبہ میں موجود تین اساتذہ[۲] کو بطور معاون نگران اس عمل میں شامل کر لیا جائے تا کہ وہ تحقیق کرنے اور کرانے کے عملی تجربات سے گزر کر اپنی تحقیقی اپج میں مضبوطی پیدا کر لیں۔تحقیق کے رموز سے انھیں آگاہی حاصل ہو جائے نیز رفتہ رفتہ ان میں یہ صلاحیت تقویت حاصل کر لے کہ وہ انفرادی طور پر اپنی نگرانی میں طالبات سے مقالات لکھوا سکیں۔یہ سلسلہ ۲۰۰۷ء تک جاری رہا۔۲۰۰۸ء میں ایم اے کے سندی مقالات کے لیے ایک ایک اسکالر کو ان کی نگرانی میں دے دیا گیا۔بحیثیت معاون نگران دو سال کے تجربے اور اصول تحقیق کے وسیع مطالعات کے بعد یہ محسوس

کرلیا گیا تھا کہ یہ تینوں اساتذہ ذمہ داری کے ساتھ احسن طریقے سے اس کام کو مکمل کر سکیں گی۔ ۲۰۱۱ء سے شعبہ اردو کی دو اور اساتذہ کو بھی اس کاروان میں شامل کرلیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں نے ۲۰۱۰ء میں شعبے میں تعیناتی حاصل کر لی تھی۔ وہ خود اسی شعبے کی فارغ التحصیل تھیں۔ انھوں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں خود بھی مقالات تحریر کیے تھے۔ علاوہ ازیں ان دونوں کے ایم فل میں داخلے کے بعد مختلف کورس ورک میں ان کی کارکردگی بہتر رہی تھی۔ اس لیے وہ مقالہ نویسی اور نگران کی ذمہ داریوں کو بہ خوبی جانتی تھیں۔ یوں ۲۰۱۰ء میں جامعہ کے شعبۂ اردو سے منسلک ہر استاد کو اس کارواں میں شامل کرلیا گیا۔ اس طرح شعبۂ اردو کا ہر استاد آزادانہ طور پر عملاً نگران کا فریضہ انجام دینے لگا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اس جامعہ میں تحقیق اور رفتار تحقیق پر خصوصی توجہ کی گئی تھی۔ ۲۰۰۶ء کے بعد ۲۰۱۳ء تک شعبۂ اردو کی ۳۹ طالبات ایم اے کی سطح پر تحقیقی مقالات لکھ چکی ہیں۔ ان مقالات کے حجم کے لیے ماہرین کی آرا سے استفادہ کر کے تین ابواب پر مشتمل ستر سے اسی صفحات کے مقالات لکھوائے گئے ہیں۔ یہ اصول طے کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند کی اس رائے کو سامنے رکھا گیا:

> ''مقالے کا حجم انگریزی کے بعض مضمون نگاروں کے تحقیقی مقالے کے حجم کے بارے میں بھی قیاس کیا جاتا ہے ۔۔۔ چھوٹے سے چھوٹا مقالہ پانچ ہزار الفاظ کا، انڈر گریجویٹ مقالہ ۲۰ ہزار الفاظ کا اور پوسٹ گریجویٹ مقالہ زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ الفاظ کا ہونا چاہیے۔ ان کو تین سو الفاظ فی صفحہ سے تقسیم کریں تو ۱۷، ۶۷ اور ۳۳۳ صفحے بنتے ہیں۔''[۳]

۲۰۰۷ء سے ۲۰۱۳ء تک مکمل ہونے والے مقالات کی جامع فہرست، سال بہ سال مقالہ نگاروں کی الفبائی ترتیب، موضوعات تحقیق، نگرانوں کی تفصیل اور شعبۂ اردو کی ڈپارٹمنٹل لائبریری کے اندراج نمبر کے تحت فراہم کی جارہی ہے۔ ۲۰۰۶ء میں لکھے گئے چار مقالات کے کوائف آچکے ہیں اس لیے شمار نمبر ۵ سے کیا گیا ہے۔

۲۰۰۷ء

شمار	مقالہ نگار	تحقیقی موضوع	نگران	لائبریری نمبر
۵۔	انیلا بابر	پروین شاکر کا فکری ارتقا	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۵۵/۵
۶۔	حنا ناگی	خلیل صدیقی ''احوال و آثار''	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۵۶/۶
۷۔	شازیہ اسلم	ڈاکٹر عبدالحمید کاکڑ کی اردو خدمات	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۵۷/۷
۸۔	شازیہ نورین	ناگی عبدالرازق خاور کی اردو شاعری	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۵۸/۸

۹۔	طلعت یاسمین	نادر قمبرانی کی اردو نظم ونثر	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۵۹/۹
		۲۰۰۸ء		
۱۰۔	آمنہ امین	رشید انجم کی اردو شاعری	قندیل بدر	۲۶۰/۱۰
۱۱۔	رابعہ منیر	یوسف عزیز مگسی کی اردو نثر	بی بی تانیہ	۲۶۱/۱۱
۱۲۔	روبینہ یونس	خلیل صدیقی کی اردو شاعری کا متن	کرن داؤد بٹ	۲۶۲/۱۲
۱۳۔	مہوش ایاز	منیر احمد یقین: مطالعہ احوال مع غیر مطبوعہ اردو شاعری کا متن	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۶۳/۱۳
		۲۰۰۹ء		
۱۴۔	سمیعہ ظفر	عزیز مگسی کی شاعری کا متن اور نئے نثری مباحث (اردو تخصیص کے ساتھ)	بی بی تانیہ	۲۶۴/۱۴
۱۵۔	شفق نورین	مخطوطہ: مراۃ الحسنیٰ عرف میلاد عزت از منیر احمد یقین کی تدوین	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۶۵/۱۵
۱۶۔	شمائلہ ریاض	منیر احمد یقین کی اردو شاعری: ایک مطالعہ	کرن داؤد بٹ	۲۶۶/۱۶
۱۷۔	عالیہ بی بی	خلیل صدیقی کی اردو شاعری	قندیل بدر	۲۶۷/۱۷
		۲۰۱۰ء		
۱۸۔	اسما سکندر	نسیم تلوی: احوال وآثار	قندیل بدر	۲۵۹/۱۹
۱۹۔	اقرا اقبال	اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں بلوچستان کے اردو ناول۔ ایک مطالعہ	کرن داؤد بٹ	۲۷۴/۲۴
۲۰۔	انیلا حسین	امیر محمد جعفر کی اردو خدمات	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۶۸/۱۸
۲۱۔	بشریٰ دلبر	مخطوطہ "سانچہ" از منیر احمد یقین کی تدوین	مہوش ایاز	۲۷۱/۲۱
۲۲۔	بی بی حلیمہ	اکیسویں صدی میں کوئٹہ میں اردو سفرنامہ	قندیل بدر	۲۷۰/۲۰
۲۳۔	ثروت ارشاد	سعید گوہر: احوال وآثار	معصومہ علی	۲۷۹/۲۹
۲۴۔	ساجدہ فاروق	رشید انجم کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۷۸/۲۸
۲۱۔	فوزیہ بی بی	رشید انجم کے غیر مطبوعہ کلام کا مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۷۲/۲۲
۲۲۔	کلثوم عبدالغفار	تدوین اردو شاعری گل خان نصیر	بی بی تانیہ	۲۷۵/۲۵
۲۳۔	گل مینہ	عبدالرحمٰن غور: احوال وآثار	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	۲۷۳/۲۳
۲۴۔	مبین شاہ	مخطوطہ "ماں کا مقام" از منیر احمد یقین کی تدوین	مہ وش ایاز	۲۷۷/۲۷

۲۵۔	میمونہ غفار	بلوچستان میں ابتدائی اردو افسانہ: نئے تحقیقی زاویے	کرن داؤد بٹ	۲۷۶/۲۶
		۲۰۱۱ء		
۲۶۔	بی بی حوا	عید گوہر کی غیر مطبوعہ اردو شاعری کا مطالعہ	قندیل بدر	۲۸۴/۳۳
۲۷۔	پروین سعید	اخگر سہارن پوری: احوال و آثار	مہوش ایاز	۲۸۰/۳۴
۲۸۔	جمیلہ بنارس خان	نجمہ واحد احوال و شعری آثار	کرن داؤد بٹ	۲۸۱/۳۱
۲۹۔	عابدہ خانم	میر گل خان نصیر کی اردو شاعری	بی بی تانیہ	۲۸۳/۳۰
۳۰۔	فرح جبین	عابد شاہ عابد کی اردو شاعری	کرن داؤد بٹ	۲۸۲/۳۲
		۲۰۱۲ء		
۳۱۔	زرمینہ سراج	شعبہ اردو ایس بی کے وومنز یونیورسٹی کی تحقیقی خدمات (۲۰۱۱ء تک)	کرن داؤد بٹ	۲۸۵/۳۵
۳۲۔	سحرش آفریدی	اکیسویں صدی میں مکران کے شعرا کی اردو شاعری	بی بی تانیہ	۲۸۶/۳۶
		۲۰۱۳ء		
۳۳۔	ثنا نذیر	ڈاکٹر فاروق احمد	مہوش ایاز	۲۸۷/۳۷
۳۴۔	شائستہ	بلوچستان میں اردو قصیدہ اور شجرہ	کرن داؤد بٹ	۲۸۸/۳۸
۳۵۔	نایاب غفور	عطا شاد کی اردو شاعری (برفاگ کے تناظر میں)	تانیہ بی بی	۲۸۹/۳۹

فہرست کے مطابق اس یونیورسٹی میں ایم اے کی سطح پر تحقیق، مسلسل عمل کے طور پر جاری ہے۔ ۲۱۰۲ء میں صرف دو طالبات نے مقالے تحریر کیے جب کہ ۲۰۱۰ء میں بارہ نے عملی تحقیق انجام دی۔ تعداد کے اس فرق کا تعلق جہاں تحقیق کے لیے انتخاب کا کڑا معیار ہے وہاں داخلوں کی تعداد میں کمی بیشی بھی اہم وجہ ہے۔

ایم فل کی سطح پر اہل بلوچستان کی تحقیق صرف بلوچستان کی جامعات میں نہیں ہوئی ہے بلکہ بلوچستان سے باہر کی جامعات میں بھی انھوں نے اپنے حالات کے مطابق انجام دی ہے۔ کئی محققین ابھی کام کر رہے اور کئی نے اپنی تحقیق کو ترک کر دیا ہے۔ اس لیے ان سب کی الگ الگ فہرستیں متعلقہ عنوانات کے تحت زمانی ترتیب میں اس لیے پیش کی جا رہی ہیں کہ ایک نظر میں ان کا احاطہ ممکن ہو سکے۔ فہرستوں کو مرتب کرتے ہوئے جن ماخذات سے استفادہ کیا گیا وہ اور ان کے مخففات پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان مخففات کا استعمال متعلقہ مقامات پر کیا گیا ہے:۔

ا۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش ''اردو میں اصول تحقیق'' جلد دوم

۲۔ جامعہ بلوچستان کے متعلقہ ریکارڈ کی فائلیں
۳۔ رفیع الدین ہاشمی ''جامعات میں اردو تحقیق''
۴۔ غیر مطبوعہ فہرست مقالات سردار بہادر خان وومنز یونیورسٹی اور متعلقہ فائلیں
۵۔ یونیورسٹی آف ایسٹ حیدر آباد کی متعلقہ فائلیں
۶۔ محمد ندیم خان ''جامعہ بلوچستان میں اردو تحقیق'' غیر مطبوعہ، مرسلہ: ڈاکٹر خالد محمود خٹک
۷۔ تحقیق، شمارہ ۱۴، تحقیقی مجلّہ، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو

أ۔ جامعہ بلوچستان میں ایم فل کے تکمیل شدہ مقالات:

شمار	نام اسکالر	موضوع	نام نگران	سال تکمیل
۱۔	عبدالخالق بلوچ	فورٹ ولیم کالج کی اردو خدمات	پروفیسر خلیل صدیقی م ن	۱۹۸۵ء
۲۔	آفتاب مسرور	اردو نثری ادب میں طنز و مزاح: روایت اور فن	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ر ش	۱۹۹۶ء
۳۔	خالد محمود خٹک	احمد ندیم قاسمی کی شاعری اور نثری تخلیقات، حیات اور اسلوب	ڈاکٹر فاروق احمد ر ش	۱۹۹۸ء
۴۔	شمیم کوثر	بلوچستان میں اردو نظم (۱۸۰۱ء سے عہد جدید تک)	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن م ن	۲۰۰۸ء
۵۔	حمیرا اسد وزئی	جوش کی شاعری اور اس کا سیاسی پس منظر	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۱۳ء

اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ جامعہ میں ایم فل اردو کی ڈگری دینے کا آغاز ۱۹۸۵ء میں ہوا۔ بیسویں صدی میں جامعہ کے آغاز سے اختتام صدی تک ۳۰ سال کے عرصے میں صرف تین محققین ہی ایم فل کر سکے تھے۔ اس میں بھی ۱۹۹۰ء کی دہائی میں دو محققین کو یہ ڈگری تفویض کی گئی۔ یہ تناسب گزشتہ بیس سالوں کے مقابلے میں دو گنا ہے۔ اس صورت حال تک پہنچنے کے لیے جامعہ کی حکمت عملی اور ضابطوں کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی عشرے میں توجہ نئے نئے شعبے قائم کرنے، انھیں مستحکم کرنے کے لیے پاکستان بھر سے ماہر اساتذہ کی تلاش کے بعد انھیں جامعہ میں تعنیات کرنے پر رہی۔ ۲ر جنوری ۱۹۷۳ء کو شعبۂ اردو کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت جامعہ بلوچستان کے وائس چانسلر پروفیسر کرار حسین کی ذاتی کوششوں سے پروفیسر مجتبیٰ حسین کوئٹہ تشریف لائے۔ اور صدر شعبۂ اردو کی خدمات انجام دینے لگے۔ پروفیسر مجتبیٰ حسین کے ساتھ ساتھ پروفیسر کرار حسین، پروفیسر خلیل صدیقی اور پروفیسر سعید احمد رفیق بھی ایم اے اردو کی کلاسیں لیا کرتے تھے۔ جب شعبۂ اردو کا نظام مستحکم ہو گیا تو سندی تحقیق کی طرف توجہ کی گئی۔

۱۹۷۷ء میں یہاں پی ایچ ڈی کی تحقیقی سرگرمیاں باقاعدہ شروع کی گئیں۔ اس وقت پی ایچ ڈی سے قبل ایم فل کرنا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ ایم فل بسلسلہ پی ایچ ڈی داخلے دیے جاتے تھے۔ ایم فل کی ایک

ج بسالہ تحقیق کے بعد اسی موضوع کو نگران کی تحریری سفارش پر نئی تجویز داخل کر کے پی ایچ ڈی میں بدل دیا جاتا تا
رش تھا۔اس لیے ۱۹۸۵ء سے پہلے تک ایم فل بسلسلہ پی ایچ ڈی کے لیے داخلے دیے جاتے رہے۔ایم فل
ب و کرانے کا عمل بعد میں شروع کیا گیا۔اس طرح تحقیق کی دو اعلیٰ ڈگریوں کے لیے بیک وقت داخلے ۱۹۸۰ء
ی ح میں پی ایچ ڈی شروع ہونے کے تین سال بعد شروع ہوئے۔اس کے برعکس اکیسویں صدی کے پہلے عشرے
م ن میں دو محققین کو ایم فل کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس عرصے میں تحقیق کی طرف
ت ق توجہ زیادہ مرکوز ہوئی اسی لیے داخلوں اور کامیابیوں کا تناسب بھی زیادہ ہے۔

ایس بی کے وومنز یونیورسٹی بلوچستان میں ایم فل اردو پروگرام سمسٹر سسٹم کے تحت جون ۲۰۰۹ء میں شروع کیا گیا۔اس پروگرام میں بلوچستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ابتداً کورس ورک پڑھانے کو لازمی قرار دیا گیا۔آغاز سے قبل جامعہ نے مسلسل کاوشوں سے اس کے قواعد وضوابط تیار کیے۔جس کے بعد اردو سمیت صرف چار شعبوں میں ایم فل شروع کیا گیا۔اٹھارہ اٹھارہ ہفتوں کے پہلے دو سمسٹروں میں سے ہر سمسٹر میں چار چار کریڈٹ آور کے تین تین کورس ورک پڑھا کر امتحان لیا گیا۔امتحان میں کامیابی کے بعد عملی تحقیق کا آغاز کیا جاتا تھا۔اس لیے طالبات سے متعلقہ موضوعات پر تحقیقی تجاویز بنوا کر منظوری کے لیے بھیج دی گئیں۔چاروں شعبوں کے موضوعات برائے منظوری بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز اینڈ ریسرچ میں بھیجے گئے تو مذکورہ بورڈ نے شعبہ کیمیا میں ایسے نگرانوں کی نامزگی نامنظور کر دی جو نباتات اور کیمیا کے مشترکہ موضوعات کی نگرانی اس لیے کر رہے تھے کہ ان کا تعلق نباتات سے تھا۔مگر نگران کی ذمہ داریاں شعبۂ کیمیا کے لیے ادا کر رہے تھے۔ان اعتراضات کی وجہ سے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے موضوعات لٹک گئے۔نگرانوں کی تبدیلیوں،موضوعات کے ردوبدل اور ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی رضامندی کے لیے ہونے والی خط وکتابت میں سال بھر سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔اور دسمبر ۲۰۱۱ء میں جامعہ کی اکیڈمک کونسل کی اجازت کے بعد طالبات کو تحقیق کی اجازت دے دی گئی جن میں شعبۂ اردو کی طالبات بھی شامل تھیں۔لہٰذا اپریل ۲۰۱۲ء کو موضوعات کی منظوری کی تحریری اجازت کے بعد تحقیق کا کام شروع ہوا۔ابتداً ۲۰۰۹۔۲۰۱۱ء کے سیشن میں آٹھ طالبات نے ایم فل اردو کے لیے داخلہ لیا تھا۔جن میں سے ایک نے دوران کورس ورک شادی کے بعد لاہور میں رہائش اختیار لینے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

۲۰۱۰ء۔۲۰۱۲ء کے سیشن کا آغاز اگست ۲۰۱۰ء میں ہوا تھا۔جس میں چار طالبات نے داخلہ لیا تھا۔ پہلے سمسٹر کے دوران میں ہی ایک طالبہ نے اپنی نجی مصروفیات اور دیگر مسائل کی وجہ سے ایم فل کو ترک کر دیا تھا۔اس طرح اس سیشن میں تین طالبات نے کورس ورک کی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے ان میں کامیابی

حاصل کر لی۔ جس کے بعد انھیں موضوعات کے انتخاب، تحقیقی تجویز اور تحقیقی خاکہ کی تیاری اور منظوری کے لیے جمع کرانے کا پابند کیا گیا تا کہ وہ اپنی تحقیق کا آغاز کر سکیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جب جامعہ میں ایم فل سے متعلق تکنیکی مسائل کے حل کے لیے کوششیں ہو رہی تھیں۔ اور ایم فل کے معاملات سرد خانے میں پڑے ہوئے تھے۔ ۱۳ اپریل ۲۰۱۳ء کو اس سیشن کی طالبات کے موضوعات کو ڈپارٹمنٹل بورڈ آف اسٹڈیز سے منظوری حاصل ہوئی۔ یوں مذکورہ بالا دونوں سیشن میں تحقیق کا باقاعدہ عمل ایک سال آگے بڑھ گیا۔ جسے رفتارِ تحقیق کے حوالے سے احسن نہیں کہا جا سکتا۔

۲۰۱۳ء۔۲۰۱۴ء کے سیشن میں آٹھ امیدواروں نے داخلے حاصل کیے۔ جس کے بعد پہلے سمسٹر کے کورس ورک مکمل ہو چکے ہیں اور دوسرے سمسٹر کے تکمیل کے قریب ہیں۔ اس سیشن میں ڈپارٹمنٹل بورڈ آف اسٹڈیز کی منظوری سے ایم فل کے نئے نصاب کا اجراء کیا گیا ہے۔ کورس ورک حسب سابق دو سمسٹروں میں تکمیل کو پہنچے گا جب کہ ہر سمسٹر میں تین تین کریڈٹ آور کے چار کورس ورک پڑھائے جائیں گے۔ ۲۰۱۴ء۔۲۰۱۵ء کے سیشن میں پندرہ امیدواروں نے داخلے لیے ہیں۔ جن کا پہلا سمسٹر جاری ہے۔ اس جامعہ میں ایم فل اردو کے داخلوں کی بڑھتی ہوئی رفتار ثابت کرتی ہے کہ بلوچستان کی خواتین میں تیزی سے ایم فل کرنے کے لیے مقالات تحریر کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جو اس خطے میں تحقیقی اور علمی سرگرمیوں کے لیے مفید اور دور رس اثرات کی حامل ہے۔ جس میں بلوچستان کے دور دراز دیہی علاقوں کی خواتین بھی شامل ہو چکی ہیں۔

ii۔ ایس بی کے وومنز یونیورسٹی بلوچستان میں ایم فل کے تکمیل شدہ مقالات:

شمار	نام محقق	موضوع	نگران	سال تکمیل
۱۔	بی بی ثانیہ	بلوچستان میں بلوچی اور اردو کے ذوالسان شعرا کی اردو شاعری: ایک مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۴ء
۲۔	سکینہ ابراہیم	بلوچستان میں اردو کی ادبی تاریخیں اور تذکرے	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۴ء
۳۔	فرزانہ خدرزئی	بلوچستان کی اردو شاعری میں خواتین کا حصہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۴ء
۴۔	قندیل بدر	قیام پاکستان کے بعد بلوچستان میں اردو غزل	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۴ء
۵۔	کرن داؤد بٹ	بلوچستان میں اردو کی ادبی تحقیق کا مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۴ء
۶۔	ہماناز	بلوچستان کے غیر معروف اہم شعراء کی اردو شاعری: ایک تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۴ء

iii۔جامعہ بلوچستان میں امتحان کے لیے پیش کردہ ایم فل مقالات:

ا۔میمونہ شاہ،مولانا محمد فاضل درخانی ایک ادارہ، تجربہ یا تحریک، ڈاکٹر خالد محمود خٹک، ج ب، ۲۰۱۲ء[۵]

یہ موضوع ۲۰۰۷ع میں منظور ہوا تھا۔محقق نے اپنے ذاتی اور خانگی مسائل کی وجہ سے اس پر تسلسل سے کام نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کا مقالہ بروقت مکمل نہ ہوسکا۔مقالہ نگار کو چھے ماہ کا حتمی تکمیل کا عرصہ خصوصی طور پر فراہم کیا گیا۔جس میں انھوں نے اپنا مقالہ معینہ عرصے کے دوران میں جمع کرا دیا ہے۔

iv۔جامعہ بلوچستان میں زیر تحقیق ایم فل مقالات:

اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں جامعہ بلوچستان میں ایم فل کی سطح پر تحقیق کی روایت اس وقت بہت کم زور پڑ گئی جب جامعہ سے ایک تسلسل میں ڈاکٹر عبدالخالق بلوچ اور ڈاکٹر فردوس انور قاضی کی ریٹائرمنٹ عمل میں آئی۔اس عرصے میں ڈاکٹر فاروق احمد کی طبی بنیادوں پر طویل رخصت کی وجہ سے بھی رفتار تحقیق متاثر ہوئی۔پھر ان کے انتقال سے اس عمل کو اور بھی دھچکا لگا۔۲۰۰۵ء تک اگرچہ رجسٹریشن کا عمل تو نظر آتا ہے لیکن عملی کارکردگی اور نتائج بہت محدود ہو گئے تھے۔درج ذیل فہرست ان محققین کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے جو اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ایم فل میں داخلہ لینے میں کام یاب ہوئے۔ فہرست محققین کے ناموں کی الفبائی ترتیب کے مطابق ہے۔ان سب کی رجسٹریشن ۹ جون ۲۰۰۹ء عمل میں آئی تھی۔

شمار	محقق	موضوع	نگران	سال رجسٹریشن
ا۔	ثمینہ مختار	بلوچستان کے اردو افسانے میں خواتین کے حقوق	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۰۹ء
۲۔	ریاض احمد	بلوچستان کے اردو ادب پر مقامی ثقافت کے اثرات	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۰۹ء
۳۔	ساجدہ عزیز	بلوچستان میں اردو لغات[۶]	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۰۹ء
۴۔	طیبہ شاہ	بلوچستان کی اردو نظم میں خواتین کے حقوق	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۰۹ء
۵۔	گل غٹی	بلوچستان میں اردو اور پشتو کے ذواللسان شعراء کی اردو شاعری	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۰۹ء
٦۔	محمد آصف	بلوچستان میں اردو غزل: ایک تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ج ب	۲۰۰۹ء
۷۔	مسعود دانیال	بلوچستان کے اردو ادب پر ادبی تحریکوں کے اثرات بیسویں صدی کے تناظر میں	ڈاکٹر خالد محمود خٹک ج ب	۲۰۰۹ء

مذکورہ بالا محققین کی آخر جون ۲۰۱۴ء میں صورت حال یہ ہے کہ جامعہ بلوچستان کے قواعد کے مطابق امیدواروں کو داخلے کے وقت تحقیق کا موضوع، تحقیقی تجویز اور تحقیقی خاکہ پیش کرنا تھا۔یوں رجسٹریشن

کی منظوری کے ساتھ ہی موضوعات کی منظوری بھی مل گئی تھی۔ جون ۲۰۱۲ء میں کورس ورک کا پہلا سمسٹر شروع ہوا جو اکتوبر ۲۰۱۲ء میں مکمل ہوا۔ دوسرا سمسٹر ۲۰۱۳ء میں مکمل ہو چکا ہے۔ مقررہ دونوں سیمنار منعقد ہو چکے ہیں۔ امکان ہے کہ ۲۰۱۴ء میں بیشتر مقالات امتحان کے لیے پیش کر دیے جائیں گے۔

اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں سکہ بند ماہر اساتذہ کی ریٹائرمنٹ اور دیگر عوامل کی وجہ سے یک دم بھاری خلا پیدا ہو گیا تھا۔ جسے پر کرنے کے لیے ڈاکٹر خالد محمود خٹک سامنے آئے۔ ڈاکٹر خالد محمود خٹک کے صدر شعبہ ہونے کے زمانے ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۲ء تا حال، تحقیقی سرگرمیوں اور مقالہ نویسی کا عمل تیز رہا۔ جب کہ درمیانی عرصے میں یہ پورا عمل ہی جامد ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ایم فل کے امیدواروں کو بہت متفکر پایا گیا۔ یہ جمود اس وقت ٹوٹا جب صدر شعبہ کی تبدیلی عمل میں آئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلوچستانی جامعات میں تحقیقی سرگرمیوں میں تیز رفتاری اور سست روی کا بڑا تعلق صدر شعبہ کی دل چسپیوں سے بھی ہے۔

v۔ ایس بی کے وومنز یونیورسٹی بلوچستان میں زیر تحقیق ایم فل مقالات:

شمار	محقق	موضوع	نگران	سیشن
ا۔	زاہدہ رشید خان	بانو قدسیہ کے اردو ناولوں میں کرداروں کے معاشرتی رویے	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۰۹۔۲۰۱۱ء
۲۔	معصومہ اظہر علی	بلوچستان میں اردو مرثیہ کی روایت (۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۷ء): تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۰۔۲۰۱۲ء
۳۔	مہوش ایاز	بلوچستان کے اردو افسانے میں جدید رجحانات: تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۰۔۲۰۱۲ء
۴۔	ناہید خان	بلوچستان میں اردو ناول: تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ب و	۲۰۱۰۔۲۰۱۲ء

vi۔ جامعہ بلوچستان میں ایم فل کے نامکمل / ترک کیے جانے والے مقالات:

اس فہرست کو زمانی ترتیب میں مرتب کیا گیا ہے۔

شمار	محقق	موضوع	نگران	سال رجسٹریشن
ا۔	شمیم احمد	خاندان شاہ ولی اللہ کی اردو خدمات	پروفیسر مجتبیٰ حسین م ن	۱۹۷۷ء
۲۔	فضل اکبر کمال	پاکستان کے اردو شعری ادب میں فوجیوں کا حصہ	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ج ب	۱۹۹۸ء
۳۔	شعیب احمد	پاکستان میں خواتین افسانہ نگار: روایت اور فن	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ج ب	۱۹۹۸ء
۴۔	شہناز بانو	اردو مختصر افسانہ تکنیک اور جدید زاویے	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ج ب	۱۹۹۸ء

۵۔ محمد عبداللہ	بلوچستان میں تنقید نگاری روایت سے سائنسی ادراک تک	ڈاکٹر فاروق احمد ج ب	۱۹۹۸ء
۶۔ منیر احمد	بلوچستان میں اردو غزل قدیم روایت واسالیب کی جدید لسانی تشکیلات	ڈاکٹر فاروق احمد ج ب	۱۹۹۸ء
۷۔ افشاں قاضی	جگر کی شاعری کا ارتقائی جائزہ	ڈاکٹر فاروق احمد ج ب	۱۹۹۹ء
۸۔ زیب النساء	علامہ اقبال کی اردو شاعری میں ڈرامائی عناصر	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ج ب	۲۰۰۰ء
۹۔ صدف چنگیزی	میر تقی میر کی فارسی اور اردو غزل کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ج ب	۲۰۰۰ء
۱۰۔ عبدالحکیم	انعام الحق کوثر شخصیت اور فن	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ج ب	۲۰۰۰ء
۱۱۔ محمد عمران	اقبال کے تصور ملت کے تناظر میں اکیسویں صدی کا فکری وتہذیبی انتشار	ڈاکٹر فاروق احمد ج ب	۲۰۰۰ء
۱۲۔ شگفتہ رحیم	تشکیل پاکستان میں اردو شاعری فن وفکر کے تناظر میں	ڈاکٹر فاروق احمد ج ب	۲۰۰۱ء
۱۳۔ روبینہ کاسی	یوسف عزیز مگسی کی ادبی خدمات	ڈاکٹر عبدالخالق بلوچ ج ب	۲۰۰۳ء
۱۴۔ احتشام شبیر	زیب مگسی کی اردو شاعری فن وفکر کے تناظر میں	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ج ب	۲۰۰۵ء
۱۵۔ افشاں قاضی	قلم قبیلہ لٹریری ٹرسٹ کی خدمات	ڈاکٹر فاروق احمد ج ب	۲۰۰۵ء
۱۶۔ جہانگیر اشرف	بلوچستان کے اردو افسانے پر مقامی تہذیب کے اثرات	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ج ب	۲۰۰۵ء
۱۷۔ راغب تحسین	بلوچستان میں اردو کی موضوعاتی شعری اصناف کی ہیئتیں	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ج ب	۲۰۰۵ء
۱۸۔ سید یوسف شاہ	اردو ادب کے براہوئی ادب پر اثرات (قیام پاکستان تا حال)	ڈاکٹر عبدالخالق بلوچ ج ب	۲۰۰۵ء
۱۹۔ عبدالغفور	بلوچستان کے اردو افسانے میں سیاسی رجحانات	ڈاکٹر فردوس انور قاضی ج ب	۲۰۰۵ء
۲۰۔ کوثر یاسمین	افتخار عارف کی شاعری کے فکری رجحانات	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ج ب	۲۰۰۵ء

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۷۷ء سے ۲۰۰۵ء تک کل ۲۰ مقالات ایسے ہیں جو جامعہ بلوچستان میں زیر تحقیق رہنے کے بعد ناتمام رہ گئے ہیں۔ انھیں ترک شدہ یا نامکمل مقالات کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ جامعہ

کے قواعد کے مطابق کسی بھی مقالے کی تکمیل کا زیادہ سے زیادہ عرصہ پانچ سال ہے۔ اس کے بعد انھیں قبول نہیں کیا جا سکتا اور رجسٹریشن منسوخ کر دی جاتی ہے۔ اسی ضابطے کی زد میں آ کر ان موضوعات پر مقالہ مکمل کرنے کا عمل اب اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ انھیں نئے سرے سے دوبارہ رجسٹریشن کے لیے پیش کر کے منظوری نہیں لی جاتی ہے۔ بلوچستان کی دوسری جامعہ سردار بہادر خان وومنز یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق تکمیل مقالہ کا زیادہ سے زیادہ عرصہ ڈھائی سال ہے۔ ابھی تک یہ معینہ مدت پوری نہیں ہوئی ہے اس لیے ابھی یہ دیکھنا ہوگا کہ یہاں نامکمل رہ جانے والے مقالوں کی تعداد کیا رہتی ہے؟

مقالات کی اس صورت حال کے پس منظر میں سب سے اہم سوال یہ اٹھتا ہے کہ وہ کیا وجوہات ہیں جن کے سبب یہاں مقالات ادھورے رہ گئے؟ مرض کی تشخیص میں ڈاکٹر گیان چند کا یہ نکتہ بہت اہم ہے:

> ''تین سال سے اوپر جو بھی وقت لگایا جائے وہ اسکالر کی تن آسانی یا کم اہلی کی غمازی کرتا ہے۔''[۷]

فہرست میں شامل بیش تر مقالہ نگار اسی خرابی کا شکار ہیں۔ چاہے وہ اس کے لیے جو بھی کہانی سنائیں یا تاویلیں گڑھیں۔ عام طور پر نثر نگار اور شعرا جب تحقیق کے میدان میں کسی نہ کسی طور داخل ہوتے ہیں تو ان کا گمان ہوتا ہے کہ تحقیقی ریاضت، تخلیق کی ریاضت سے کم تر اور ہیچ ہے۔ اس لیے وہ ابتدا میں اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور سوچتے ہیں کہ تحقیق کون سا مشکل کام ہے؟ چند دن تسلسل سے بیٹھیں گے اور صفحے کے صفحے لکھ ماریں گے۔ نگران بھی اول تو ان کے احترام میں ان کی سرزنش نہیں کرتے۔ اور کبھی دل پر پتھر رکھ کر تحقیق کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو محقق حضرات، نگران سے جھوٹا سچا وعدہ کر کے ایسے رخصت ہوتے ہیں کہ پھر لوٹ کر واپس ہی نہیں آتے۔ کیوں کہ جب وہ اپنا تحقیق کا کام لے کر بیٹھتے ہیں تو اس میں دل نہیں لگتا۔ کچھ زور لگا کر لکھتے ہیں تو پسینے کو پسینے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یا پھر چند جملوں کے بعد قلم نہیں چلتا۔ بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی قدر جمع مواد کے باوجود اپنے موضوع کے پس منظر میں اس کا مطالعہ ہی نہیں کیا ہوتا۔ یا پھر نگران سے رہنمائی حاصل کرنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ نگران کے علاوہ ہر کس و ناکس سے موضوع پر گفتگو کر کے رہ نمائی حاصل کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ یہ دراصل محققین کا مخفی تفاخر ہوتا ہے جس کے اظہار کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ نتیجے میں درست، غلط اور متضاد ایسی آرا ملتی ہیں جو ذہن کو ماؤف کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

یہی صورت حال جامعات کے اساتذہ کی بھی ہوتی ہے۔ وہ ایم اے کی تدریس کرتے کرتے خود کو متعلقہ مضمون کا ایسا ماہر سمجھنے لگتے ہیں کہ کسی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ نتیجتاً اپنے نگران سے خائف ہو کر اس کے خلاف محاذ آرائی میں توانائیاں صرف کر دیتے ہیں۔ تحقیق کا کام تنکا تنکا جمع کرنے کا مسلسل عمل ہے۔ اکثریت

تحقیق کے میدان میں کود تو پڑتی ہے لیکن منظّم حکمت عملی سے ناواقفیت، پھر تسلسل سے کام نہ کرنے کی وجہ سے مزید تساہل کا شکار ہو جاتی ہے۔ روز سوچتے ہیں کل شروع کریں گے لیکن وہ کل پھر کبھی نہیں آتی۔ کچھ کے نزدیک مقالہ لکھنے کا کام محقق کا نہیں نگران کا ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں نگران مقالہ لکھ کر دے دے گا یا قسطوں میں لکھوا دے گا۔ بعض کے نزدیک ایم فل بھی ایم اے کی طرح کا امتحان ہے اس میں بھی رٹا اور نقل کام آئے گا۔ مگر تحقیق کے عمل میں یہ دونوں نہ صرف ناکام مشقیں ہیں بلکہ محقق کا پول بھی کھول دیتی ہیں۔

خواتین کا ایک مسئلہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ پیچیدہ اور عملاً مبنی برحق ہے۔ ملازمت پیشہ، خواتین کو ملازمت کے اوقات کار کے بعد گھر داری، شوہر، بچوں اور سسرال کے معاملات کی دیکھ بھال بھی مسلسل کرنا پڑتی ہے۔ ملازمت کے بعد گھر کے مسلسل کاموں سے جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ وہ تحقیق کے لیے وقت نہیں نکال پاتی ہیں۔ اس لیے رفتہ رفتہ ان کا تحقیقی ذوق بجھنے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں ۲۰۱۳ء میں ایس بی کے وومنز یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کی اساتذہ نے ڈین سوشل سائنسز اور پھر وائس چانسلر کو یہ درخواست دی کہ وہ اگرچہ اپنی ہی جامعہ میں ایم فل کر رہی ہیں لیکن گھر کی ذمہ داریوں کے باعث انھیں تحقیق میں بہت سی حقیقی دشواریاں ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ انھیں امور خانہ داری کے بعد تحقیق کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ لہٰذا انہیں دو سال کی اسٹڈی لیو (رخصت برائے مطالعہ) دی جائے تاکہ وہ اپنا کام احسن طریقے سے مکمل کر سکیں۔ اس درخواست گزاری میں انھیں دیگر شعبوں کی طالبات کے علاوہ شعبۂ اردو کی طالبات کی اخلاقی حمایت بھی شامل تھی۔ لیکن ان کی اس کوشش کو پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔

فہرست میں نمبر شمار ۱، کو جامعہ بلوچستان نے این او سی نہیں دی۔ لہٰذا انھوں نے ایم فل ترک کر دیا۔ نمبر شمار ۲، فوج میں کرنل تھے۔ ایم فل میں رجسٹریشن کے وقت وہ کوئٹہ میں تعینات تھے۔ جب ان کا کوئٹہ سے تبادلہ ہو گیا تو انھوں نے ایم فل موقوف کر دیا۔ اس سے ملتی جلتی صورت حال نمبر شمار ۲۰، کی بھی ہے۔ وہ آزاد کشمیر میں کالج کی لیکچرر تھیں۔ ان کے شوہر فوج میں میجر تھے۔ جب ان کے شوہر اسٹاف کالج کوئٹہ میں دو سالہ کورس کے لیے کوئٹہ تشریف لائے تو انھوں نے بھی اپنا ڈیپوٹیشن گرلز کالج کوئٹہ کینٹ میں کروالیا اور ایک پنتھ دو کاج کے مصداق ایم فل اردو میں داخلہ لے لیا۔ شروع میں کوئی سرگرمی نہیں دکھائی۔ دو سال مکمل ہونے کے قریب تیس پینتیس صفحات لکھ کر نگران کو دکھائے تو انھوں نے اسے شرف قبولیت بخشنے کی بجائے یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا کہ ''یہ تو ایم اے کے مقالے کی سطح کا بھی کام نہیں ہے۔ منظور شدہ خاکے کے مطابق کام کیجیے'' اس کے بعد وہ کوئٹہ سے رخصت ہوئیں تو اپنے نگران سے سلام دعا بھی نہیں کی۔ باقی سب کا معاملہ اوّل الذکر وجہ یا وجوہات کا شاخسانہ ہے۔ نمبر شمار ۷ اور ۱۵، ایک ہی شخصیت ہیں انھوں نے دو مرتبہ، دو مختلف

موضوعات کے تحت ایک ہی نگران کے زیرِ نگرانی رجسٹریشن کروائی۔ پہلے ۱۹۹۹ء میں پھر ۲۰۰۵ء میں اور دونوں مرتبہ اپنا مقالہ مکمل نہیں کر سکیں۔ جو بھی وجوہات ہوں، موجود اور آئندہ آنے والے محققین کے ذہن صاف کر کے یہ راسخ کرانے کی ضرورت ہے کہ اس سطح پر تحقیق کوئی عام سا عمل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے منظم طریقے سے روزانہ کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ کسی گمان اور تکبر میں ہیں وہ اسے جھٹک کر تحقیق کے میدان میں آئیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ نگران یا کوئی دوسرا ان کا مقالہ لکھ دے گا وہ جان لیں کہ یہ کام صرف محقق ہی کو کرنا ہے۔ نگران اپنے شاگرد کے لیے کام کرنے کی بجائے خود وہ کام کر کے اپنی تصانیف میں اضافہ کیوں نہ کرے؟ جو محقق تحقیق کو بہت آسان اور چند روز کی محنت سمجھتے ہیں ان پر واضح ہونا چاہیے کہ تحقیق مشکل ضرور ہے، ناممکن نہیں ہے۔ جو گھریلو ذمہ داریوں کا شکار ہیں وہ اپنے نظام الاوقات کو نئے سرے سے منظم کر کے روزانہ تحقیق کی سرگرمیوں کے لیے دو سے تین گھنٹے ضرور نکالیں۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو صرف نمود و نمائش کے لیے داخلہ لے کر اپنے مادی وسائل ضائع نہ کریں۔ یہ داخلے کے وقت متعلقہ کمیٹی کے ارکان، شعبۂ اردو کے اساتذہ، کورس ورک پڑھانے والے اساتذہ اور تحقیق کے بہی خواہ با آسانی کر سکتے ہیں۔ جس سے کم عرصہ میں صورت حال کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ بلوچستان کے ایم فل کے امیدواروں کو فہرست نمبر vi دکھا کر بھی باور کرایا جا سکتا ہے کہ انہیں ایسی کسی فہرست کا حصہ بننے سے بچنا چاہیے۔

جامعہ بلوچستان یا ایس بی کے وومنز یونیورسٹی سے باہر پاکستانی جامعات میں بلوچستان کے جن محققین نے اپنے مقالات مکمل کیے ہیں۔ ان کی فہرستیں اس لیے ضروری ہیں کہ اس کے بغیر ایم فل مقالات کا مطالعہ مکمل نہیں ہوتا۔ بلوچستانی جامعات سے باہر داخلہ لینے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کے محققین نے اپنی سہولت کے مطابق پاکستان کی دیگر جامعات کا بھی رخ کیا۔ تاکہ ان کی تحقیق اس وقت کے حالات کے مطابق آسان ہو سکے۔ جامعہ بلوچستان کی بجائے دیگر جامعات کا رخ کرنے کی بڑی وجہ اس جامعہ میں تحقیقی عمل کی سست روی تھی۔ جن خواتین و حضرات نے دیگر جامعات کا رخ کیا؛ وہ یہاں نگران اساتذہ کی قلت، کئی برس تک جامعہ بلوچستان کے دفتری امور میں تساہل اور رکاوٹ کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوئے۔ بعض بلوچستانی محققین نے ایک سے زائد جامعات میں رجسٹریشن کرائی تھی۔ متعلقہ جامعات کے مخففات وضع کیے جا رہے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مقالہ کہاں مکمل کیا گیا ہے ان جامعات کا ذکر آگے جہاں کہیں آئے گا یہی مخففات استعمال کیے جائیں گے۔

شمار	نام جامعہ	مخفف
۱۔	سندھ یونیورسٹی، جام شورو	س ی

۲۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی یونیورسٹی، خیرپور — ش خ

۳۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد — ع ا

۴۔ کراچی یونیورسٹی، کراچی — ک ر

۵۔ یونیورسٹی آف ایسٹ، حیدرآباد — ی آ

vii۔ بیرون بلوچستان مکمل شدہ مقالات:

اگرچہ فہرست زمانی ترتیب میں مرتب کی گئی ہے تاکہ سال بہ سال ایم فل کے موضوعات کی کیفیت اورنوعیت کا اندازہ آسانی سے ہوجائے۔ البتہ جہاں کہیں ایک ہی سال میں ایک سے زیادہ مقالات کو کامیابی کی سند عطا کی گئی ہے وہاں اندراج محققین کے ناموں کی الف بائی ترتیب سے کیا گیا ہے:

شمار	نام محقق	موضوع	جامعہ	نگران		سال تکمیل
۱۔	احمد علی صابر، بولانی	اردو اور بلوچستانی زبانوں کا تقابلی مطالعہ	ع ا	عبداللہ جمالدینی	رش	۱۹۹۳ء
۲۔	عرفان احمد بیگ	پروفیسر مجتبیٰ حسین: احوال وآثار	ع ا	ڈاکٹر فردوس انور قاضی	رش	۱۹۹۴ء
۳۔	امین الحق	بلوچستان میں اقبالیات کا جائزہ	ع ا	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	رش	۱۹۹۶ء
۴۔	مبارکہ حمید	بلوچستان میں اردو افسانے کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ	ع ا	ڈاکٹر فردوس انور قاضی	رش	۱۹۹۸ء
۵۔	قمرالدین سید	فلسفہ عجم کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	ع ا	سعید احمد رفیق	رش	۲۰۰۱ء
۶۔	محمد ندیم خان	جامعہ بلوچستان کی اردو خدمات، تحقیقی وتنقیدی جائزہ	ع ا	ڈاکٹر فاروق احمد	م ن	۲۰۰۳ء
۷۔	اعجاز احمد مہر	انعام الحق کوثر	ی آ	ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال	ی ح	۲۰۱۱ء
۸۔	بشریٰ تحسین	فرہنگ کلیات محمد حسن براہوی مع تعلیقات	ی آ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	ی ح	۲۰۱۱ء
۹۔	طلعت یاسمین	بلوچستان کے اردو افسانے میں حقوق انسانی کے رجحانات	ی آ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	ی ح	۲۰۱۱ء
۱۰۔	عطیہ فیض جعفر	بلوچستان کے اردو افسانے میں بلوچستان کی ثقافت کا مطالعہ	ی آ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن	ی ح	۲۰۱۱ء

۱۱۔ مہناز قمر بلوچستان میں اردو حمد اور نعت ی آ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ی ح ۲۰۱۱ء

۱۲۔ نجیب الرحمٰن بلوچستان میں اردو ہائیکو :ایک تحقیقی مطالعہ ی آ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ی ح ۲۰۱۱ء

بلوچستان سے باہر کی جامعات میں ایم فل کے ۱۲ مقالات اہل بلوچستان نے لکھے۔ان میں ۶ مقالات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں لکھے گئے ۔جب کہ باقی ۶ مقالات یونیورسٹی آف ایسٹ حیدرآباد میں لکھے گئے ہیں۔مذکورہ تمام محققین کا تعلق تدریس سے ہے۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کرنے والوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ بلوچستان میں دور دراز جائے تعیناتی اور بار بار کے تبادلوں کے باوجود کسی خاص جامعہ میں مسلسل حاضر باشی کے پابند نہیں تھے۔نمبر شمار ۱، ۲، ۳، اور ۵ کا تعلق ایسے ہی کالج اساتذہ سے ہے۔جب کہ نمبر شمار ۴ اور ۶ کوئٹہ ہی کے کالجوں میں مستقل طور پر تعینات تھے۔انھوں نے بھی فاصلاتی طرزِ تعلیم سے استفادہ کر کے مقالات کی تکمیل کی ہے۔نمبر شمار ۴ کا تعلق اگر چہ گرلز کالج کوئٹہ تھا لیکن وہ شعبہ تدریس کی بجائے ہوسٹل وارڈن کے غیر تدریسی شعبے سے وابستہ رہی تھیں۔ملازمت میں ایم فل سے کسی منفعت کی بجائے انھوں نے اپنے ذوقِ تحقیق کو بڑھانے اور اپنی علمی صلاحیتوں میں اضافے کے لیے ایم فل کا مقالہ تحریر کر کے کامیابی حاصل کی تھی ۔نمبر شمار ۷ تا ۱۲ نے یونیورسٹی آف ایسٹ حیدرآباد میں داخلہ لے کر ایک نئی روایت کا آغاز کیا تھا۔اس یونیورسٹی نے ۲۰۰۹ء میں اپنے ایم فل کے پروگرام کا آغاز سمسٹر سسٹم کے تحت کیا تو مذکورہ طالب علموں کو یہ سہولت نظر آئی کہ بلوچستانی جامعات اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے مقابلے میں یہاں کورس ورک کی معینہ وقت میں تکمیل کے بعد مقالہ تحریر کرنے کا موقع ملے گا اور مقررہ وقت میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔کیوں کہ یہاں دفتری امور کی تیز رفتاری، بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز اینڈ ریسرچ اور اکیڈمک کونسل کے بروقت اجلاس ہوتے ہیں۔لہٰذا سند کا حصول بروقت ممکن ہے۔ایم فل کے امیدواروں کا یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہوا اور مقالات کی تکمیل کے بعد ستمبر ۲۰۱۱ء میں نتائج کا اعلان ہو گیا۔ان امیدواروں نے دوسری جامعات کے مقابلے میں معینہ مگر کم وقت میں سندی تحقیق کا عمل مکمل کر لیا ہے۔اس سے ایک طرف مذکورہ جامعہ کے تحرک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔وہاں امیدواروں کا، میقات کے مطابق کام کو مکمل کرنے کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر جامعات کے نظام میں سست روی اور بے جا مشکلات نہ ہوں تو بلوچستان کے محقق اپنا کام بروقت مکمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

نمبر شمار ۷ تحقیق کے وقت ریزی ڈینشل ماڈل کالج خضدار میں لیکچرر تھے۔بلوچستان میں امن وامان کی خراب صورت حال اور ٹارگٹ کلنگ کی وجہ سے ان کا تبادلہ کوئٹہ کر دیا گیا تھا۔جب کہ نمبر شمار ۸ سے ۱۲

تک کوئٹہ کے مختلف تعلیمی اداروں سے منسلک وہ محقق ہیں جو محققانہ اوصاف اور ہمت سے کام لیں تو پی ایچ ڈی بھی کرسکتے ہیں۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں بلوچستانی محققین کی رجسٹریشن کا عمل ۱۹۹۳ء میں شروع ہوا۔ بیسویں صدی کے اختتام تک چار مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات مکمل کیے۔جب کہ اکیسویں صدی کے پہلے تین سالوں میں دو مقالات کی تکمیل عمل میں آئی تھی۔ بیرون بلوچستان جامعات میں مقالہ لکھنے کے عمل سے ایک پہلو یہ بھی ابھر کر سامنے آیا کہ خواتین مقالہ نگاروں کی تعداد اور تناسب میں تیز رفتاری سے اضافہ ہوا ہے۔ بارہ مقالہ نگاروں میں سے پانچ خواتین تھیں۔بلوچستان سے باہر کی جامعات میں زیر تحقیق مقالات بھی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

viii۔غیر بلوچستانی جامعات میں زیر تحقیق مقالات:

شمار	محقق	موضوع	جامعہ	نگران
۱۔	علی مراد عمرانی	بلوچستان میں اردو تذکرہ نگاری	ش خ	ڈاکٹر یوسف خشک
۲۔	منظور احمد عمرانی	بلوچستان کی اردو شاعری میں بلوچ شعرا کی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	س ی	ڈاکٹر نسیم آرا سرتاج

یہ دونوں مقالات ہنوز زیر تحقیق ہیں۔اگرچہ اطلاع یہ ہے کہ نمبر شمار۲، نے ایم فل ترک کر دیا ہے لیکن یہ اطلاع مستند نہیں ہے۔جب تک متعلقہ جامعہ اس سلسلے میں کوئی مراسلہ جاری نہیں کرتی اس وقت تک اسے زیر تحقیق ہی سمجھنا چاہیے۔کیوں کہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ معینہ وقت گزر جانے کے باوجود خصوصی رعایت دے کر مقالات امتحان دینے کے لیے جمع کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔بلوچستان سے باہر کی جامعات میں ایم فل کے ایسے مقالات بھی ہیں جو یا تو نامکمل رہ گئے یا انھیں ترک کر دیا گیا ہے۔

ix۔غیر بلوچستانی جامعات میں ایم فل کے ترک شدہ/نامکمل مقالات:

۱۔محمد عمران ہاشمی، بلوچستان میں مزاحمتی شاعری، ڈاکٹر یوسف خشک، رش ، ش خ ،سال داخلہ نامعلوم

بیرونی جامعات میں صرف یہ ایک مقالہ ایسا ہے جو نامکمل رہ گیا ہے۔اس کے اسباب کی چھان بین سے معلوم ہوا کہ محقق نے محمد عمران کے نام سے ۲۰۰۰ء میں جامعہ بلوچستان میں، ڈاکٹر فاروق احمد کی زیر نگرانی اپنا موضوع ''اقبال کے تصور ملت کے تناظر میں اکیسویں صدی کا فکری و تہذیبی انتشار'' رجسٹر ڈ کروایا تھا۔اس وقت موصوف جامعہ بلوچستان کے شعبۂ اردو میں لیکچرر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔اپنے بزرگ اساتذہ اور ڈین لینگویجز کے احترام کو توڑتے ہوئے حد ادب کے تقاضے قائم نہ رکھ سکے۔جس کی پاداش میں نگران نے رہنمائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔مسئلہ کے حل کی کوششوں کے باوجود جب معاملہ رفع دفع نہ ہوا تو انھوں

نے شاہ لطیف یونیورسٹی خیر پور میں مذکورہ بالا موضوع رجسٹر کروایا۔ بعد ازاں وہ استعفا دے کر جامعہ بلوچستان سے رخصت ہو گئے۔ یوں ان کا مقالہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ انھوں نے دو مختلف جامعات میں ایم فل کا داخلہ تو لے لیا مگر وہ کہیں بھی کام یابی حاصل نہ کر سکے۔ یوں بلوچستان سے باہر کی جامعات میں جن موضوعات کا رجسٹریشن ہوا تھا۔ ان میں یہ واحد موضوع ہے جو تشنہ تکمیل رہ گیا ہے۔

بلوچستان کی جامعات میں ۱۹۸۰ء میں پی ایچ ڈی اردو کی تحقیق کا آغاز ہوا۔ جامعہ بلوچستان کے شعبۂ اردو میں اس سے تین سال پہلے ایم فل اردو کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ لیکن وہ ایم فل بھی ادھورا رہ جانے کے باعث شعبۂ اردو میں اس سطح پر تحقیق کا پہلا تجربہ تھا۔ جس کے لیے نہ تو کتب خانوں میں متعلقہ مواد موجود تھا اور نہ ہی ماضی کے ایسے نمونے تھے جنھیں سامنے رکھ کر آگے بڑھا جا سکے۔ جامعات کی ایک اہم خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہاں تحقیق کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہی خصوصیت اسے کالجوں سے جدا کرتی ہے۔ اس کے باوجود کہ بعض کالجوں میں ایم اے کی کلاسیں باقاعدگی سے ہوتی ہیں۔ لیکن تحقیق ہی جامعات کی شناخت ہوتی ہے۔ تحقیق کی رفتار اور معیار ہی سے جامعات کی درجہ بندی ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی ساکھ قائم ہوتی ہے۔ جامعہ بلوچستان کو قیام کے پہلے عشرے میں ہی اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ اسے اپنی ساکھ بہتر بنانے کے لیے سندی تحقیق کو شروع کر دینا چاہیے۔ لہٰذا پی ایچ ڈی کے لیے پہلا داخلہ فردوس انور قاضی کو دیا گیا۔ ابتدا میں انھوں نے اپنا رجسٹریشن ایم فل کے لیے کرایا تھا۔ یہ رجسٹریشن ۱۹۷۷ء میں کیا گیا تھا۔ جس کے نگران پروفیسر مجتبیٰ حسین تھے۔ موضوع کی اہمیت اور وسعت کو مدنظر رکھ کر اسے ۱۹۸۰ء میں پی ایچ ڈی میں تبدیل کر دیا گیا۔ محقق نے ۱۹۸۲ء میں مقالہ مکمل کر کے امتحان کے لیے پیش کر دیا۔ جس پر ۱۹۸۳ء میں انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔ یہ بلوچستان میں شعبۂ اردو کی طرف سے دی گئی پی ایچ ڈی کی پہلی ڈگری تھی۔ اس ایک تحقیقی کام نے بلوچستان کے محققین کو اس بات کی جانب راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا کہ وہ بھی پی ایچ ڈی کے مقالات لکھ کر اپنے ذوقِ تحقیق کی تسکین کے سامان کریں۔ لہٰذا جامعہ بلوچستان کے شعبۂ اردو میں دیگر محققین نے بھی داخلے لے کر اس فہرست میں اپنا نام لکھوانا شروع کر دیا۔ بلوچستان کے جن محققین نے جامعہ بلوچستان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے ان کی تفصیل زمانی ترتیب میں یہ ہے۔

x۔ جامعہ بلوچستان میں پی ایچ ڈی کے مکمل ہونے والے مقالات:

شمار	محقق	موضوع	نگران	سال تکمیل
ا۔	فردوس انور قاضی	اردو افسانہ نگاری اور اس کے رجحانات	پروفیسر مجتبیٰ حسین س ب	۱۹۸۳ء
۲۔	فاروق احمد	جدید اردو شاعری اور ہیئت کے تجربے	پروفیسر مجتبیٰ حسین س ب	۱۹۸۳ء

۳۔	کوثر جمال	پریم چند اور لوشن: تقابلی مطالعہ	پروفیسر مجتبیٰ حسین	س ب	۱۹۸۳ء
۴۔	عبدالخالق بلوچ	بلوچی رزمیہ شاعری تحقیق مزید کی روشنی میں	پروفیسر خلیل صدیقی	ج ب	۱۹۹۷ء
۵۔	خالد محمود خٹک	محمد حسین عنقا: افکار و آثار۸	ڈاکٹر ضیاالرحمٰن	م ن	۲۰۰۶ء
۶۔	آفتاب مسرور	۱۸۵۷ء کے بعد اردو فکشن کے تشکیلی عناصر، داستان کا زوال اور ناول نگاری	ڈاکٹر فردوس انور قاضی	م ن	۲۰۰۷ء
۷۔	مبارکہ حمید	محشر رسول نگری حیات اور فن۔ کلاسیکی روایت سے مذہبی اقدار تک	ڈاکٹر فردوس انور قاضی	م ن	۲۰۰۷ء

فہرست کے اندراجات یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل ہونے میں چھے سال سے زائد کا عرصہ لگ گیا تھا۔ جب کہ اس وقت جامعہ کے قواعد کے مطابق اسے پانچ سالوں میں مکمل ہونا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ یہ مقالہ یہاں اردو کا اولین کام ہونے کی وجہ سے جامعہ کے دفتری امور میں کوئی ربط نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے ایم فل سے پی ایچ ڈی میں منتقلی میں بہت زیادہ وقت لگا۔ اس وجہ سے مقالہ نگار گومگوں کی کیفیت میں مبتلا رہا کہ وہ اپنی تحقیق کو اس پس منظر میں کیوں کر جاری رکھے ۔جب کہ پی ایچ ڈی کے لیے موضوع ہی منظور نہیں ہوا ہو؟ یوں تین سال سے زیادہ کا عرصہ صرف اسی کام کی نذر ہو گیا۔ جس کی وجہ سے مجموعی دورانیہ بڑھ کر چھے سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہو گیا۔ اس کی روداد پروفیسر محمد ندیم خان یوں بیان کرتے ہیں:

> ''محترمہ فردوس انور قاضی کا موضوع تحقیق ''اردو افسانہ نگاری کے رجحانات'' جس کی ۱۹۷۷ء میں پروفیسر مجتبیٰ حسین کی نگرانی میں ایم فل کی سطح پر رجسٹریشن ہوئی تھی لیکن موضوع کی اہمیت اور وسعت کے پیش نظر ۱۹۸۰ء میں اسے پی ایچ ڈی میں تبدیل کر دیا گیا۔ چوں کہ افسانہ نگاری پر تاریخی تسلسل سے کوئی تحقیقی کام موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کام کو ایم فل تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کو پی ایچ ڈی میں تبدیل کر دیا جائے تا کہ موضوع زیر تحقیق کا مکمل احاطہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ۱۹۸۲ء میں یہ تحقیقی مقالہ سند کے لیے پیش کیا گیا اور یوں ڈاکٹر فردوس انور قاضی نے نہ صرف شعبۂ اردو بلکہ جامعہ بلوچستان کی پہلی پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کا منفرد اعزاز حاصل کیا۔''۹

اکیسویں صدی کے ابتدائی سات سالوں میں تین پی ایچ ڈی بانتیجہ رہے۔ ان تمام کا رجسٹریشن بھی اکیسویں صدی میں ہوا تھا۔ یوں جو بنیادیں بیسویں صدی میں ڈالی گئی تھیں بار آور ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ اس پس منظر میں مستقبل قریب پر نظر ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ جامعہ بلوچستان میں زیر تحقیق پی ایچ ڈی

مقالات کی فہرست کے توسط سے غور کیا جائے۔

xi۔جامعہ بلوچستان میں پی ایچ ڈی کے زیر تحقیق مقالات

۱۔محمد ندیم خان	پاکستانی جامعات میں پی ایچ ڈی کی سطح پر اردو تحقیق اکیسویں صدی میں	ڈاکٹر خالد محمود خٹک	ج ب
۲۔افشاں خانم	کوئٹہ کی لائبریریاں اور اردو ادب (یونیورسٹی، کالج اور پبلک لائبریری)	ڈاکٹر خالد محمود خٹک	ج ب
۳۔شمیم کوثر	بلوچستان کا اردو ادب قیام پاکستان کے بعد	ڈاکٹر خالد محمود خٹک	ج ب

فی الوقت جامعہ بلوچستان میں پی ایچ ڈی کے صرف تین مقالات زیر تحقیق ہیں۔ان سب کا رجسٹریشن مختلف اوقات میں ہوا ہے۔افشاں خانم کا رجسٹریشن ۲۰۰۵ء میں، محمد ندیم خان کا ۲۰۰۶ء میں اور شمیم کوثر کا ۲۰۰۸ء میں ہوا۔ بظاہر اول الذکر دونوں امیدواروں کو مقالہ کی تکمیل میں بہت وقت لگ گیا ہے۔یہ دونوں کب تک نتیجہ خیز ہوسکیں گے اس کا انتظار ہے؟ وجوہات کی وضاحت کرتے ہوئے محمد ندیم خان لکھتے ہیں:

> ''محمد ندیم خان نے ڈاکٹر فاروق احمد کی زیر نگرانی موضوع تحقیق ''پاکستانی جامعات میں پی ایچ ڈی کی سطح پر اردو تحقیق اکیسویں صدی میں، تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' پر کام کا آغاز کیا۔استاد محترم جناب ڈاکٹر فاروق احمد کے انتقال کے بعد ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر خالد محمود خٹک کی زیر نگرانی موضوع تحقیق پر کام آخری مراحل میں جاری ہے۔۔۔افشاں خانم نے ڈاکٹر فردوس انور قاضی کی زیر نگرانی ایم فل لیڈنگ ٹو پی ایچ ڈی میں رجسٹریشن ۲۰۰۵ع میں کرائی تھی کورس اور جی آر ای کی تکمیل کے بعد وہ اب پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ موضوع بہ عنوان ''کوئٹہ کی لائبریریاں اور اردو ادب (یونیورسٹی، کالج اور پبلک لائبریریاں)'' ڈاکٹر خالد محمود خٹک کی زیر نگرانی تحریر کررہی ہیں (ڈاکٹر فردوس انور قاضی صاحبہ کی ریٹائرمنٹ کے باعث ۲۰۰۸ء میں انھوں نے اپنا نگران تبدیل کرلیا)۔''[۱۰]

ڈاکٹر فاروق احمد ۲۰۰۶ء میں علیل ہوگئے۔یہ علالت شدید ہوئی تو پہلے وہ وقفوں وقفوں سے چھٹی لے کر شعبۂ اردو کی دیکھ بھال اور زیر نگرانی تحقیقی مقالات پر مشاورت کرتے رہے۔۲۰۰۸ء میں ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی تو وہ علاج کے لیے پہلے کراچی اور بعد میں اپنے اہل وعیال کے اصرار پر طبی بنیادوں پر رخصت لے کر امریکہ چلے گئے۔وہیں دوران علاج ۲۰۱۰ء ان کی وفات ہوگئی۔امریکہ میں قیام کے زمانے میں وہ اپنی نگرانی میں رجسٹرڈ ہونے والے پی ایچ ڈی کے مقالے پر بذریعہ خط وکتابت اور ٹیلی فونک رہنمائی کرتے رہے۔لیکن ان کے انتقال کے بعد لازمی ہوگیا کہ نمبر شمار ا، نئے نگران کا انتخاب کرلے۔لہٰذا انھوں نے ڈاکٹر خالد محمود خٹک کی رضامندی سے نگران کی تبدیلی کی درخواست دی

۔ :ودفتری مراحل سے گزر کر منظور ہوگئی۔

بلوچستان سے باہر کی جامعات میں جن محققین نے پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کیے ہیں ان کی فہرست زمانی ترتیب میں یہ ہے۔ جامعات کو ان مخففات سے ظاہر کیا گیا ہے۔ سندھ یونیورسٹی جام شورو: س ی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد: ع ا، اور کراچی یونیورسٹی کراچی: ک ی۔

xii بیرون بلوچستان بلوچستانی محققین کے پی ایچ ڈی کے مقالات:

شمار	محقق	موضوع	جامعہ	نگران		سال تکمیل
۱۔	عبدالرحمٰن	براہوی اور اردو کا تقابلی مطالعہ	س ی	ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی	ت ق	۱۹۷۹ء
۲۔	مجیب الرحمٰن یوسفی	ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے محاورات	س ی	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	ت ق	۱۹۹۵ء
۳۔	ضیاالرحمٰن	پاکستان کے اردو ادب میں موجودہ بلوچستان کی ثقافت	س ی	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	ت ق	۱۹۹۶ء
۴۔	عبدالرؤف رفیقی	افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت	ع ا	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	رش	۲۰۰۳ء
۵۔	آغا محمد ناصر	بلوچستان میں اردو شاعری کا سماجی وسیاسی مطالعہ	ک ی	ڈاکٹر جمیل جالبی	رش	۲۰۰۶ء
۶۔	عرفان احمد بیگ	عطاشاد: فن وشخصیت کا تنقیدی جائزہ	ع ا	ڈاکٹر انور فردوس قاضی	رش	۲۰۰۸ء

xiii۔ بیرون بلوچستان پی ایچ ڈی کا زیر تحقیق مقالہ:

۱۔ قمر الدین سید، سندھ میں غالب شناسی کا تحقیقی جائزہ، س ی، ڈاکٹر سید جاوید اقبال، رش، ندارد

xiv۔ بیرون بلوچستان پی ایچ ڈی کا ترک شدہ/ نامکمل مقالہ:

۱۔ مقبول علی ظفر، بلوچستان میں اردو ادب کا تنقیدی جائزہ، ک ی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ال، ۱۹۹۲ء

بلوچستان سے باہر کی جامعات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے رجسٹریشن کی تعداد جامعہ بلوچستان میں ہونے والی اسی سلسلے کی تعداد سے زیادہ ہے۔ اب تک بلوچستان سے باہر کی جامعات میں داخلوں کی صورت حال یہ رہی ہے۔ سندھ یونیورسٹی جاشورو ۴ داخلے، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ۲ داخلے، اور کراچی یونیورسٹی کراچی ۲ داخلے۔ یعنی بیرونی جامعات میں داخلوں کی تعداد ۸ ہے۔ سندھ یونیورسٹی جام شورو کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہاں دیگر جامعات کے مقابلے میں پچاس فیصد زیادہ داخلے حاصل کیے گئے تھے۔ بلوچستان کے محققین میں جامعہ بلوچستان سمیت بیرونی جامعات میں سب سے پہلے پی ایچ ڈی کا داخلہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن

براہوئی نے سندھ یونیورسٹی جام شورو میں حاصل کیا۔انھوں نے ۱۹۷۹ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے لازماً ڈگری کے حصول سے کئی سال پہلے داخلہ لیا ہوگا۔ وقت کے تعین کے لیے ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کے اپنے بیان کو سند بنانا ہوگا۔وہ لکھتے ہیں:

''دسمبر ۱۹۷۸ء میں زبانی امتحان کے بعد میں لندن چلا گیا اور تین ماہ کے بعد واپس پاکستان آیا لیکن اس وقت تک یونیورسٹی نے نتیجے کا اعلان نہیں کیا تھا آخر ۱۳ مئی ۱۹۷۹ء کو نتیجہ کا اعلان ہوا اور یونیورسٹی نے اس مقالہ کو منظور کیا۔''[۱۲]

اس اعتبار سے انہیں یہ اعزاز حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ بلوچستان کے محققین میں پہلے ہیں جس نے اردو میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کی تھی۔ڈاکٹر فردوس انور قاضی نے ان کے دو سال بعد جامعہ بلوچستان میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا تھا۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ بلوچستان کے اولین محقق ہیں جس نے سب سے پہلے کسی بھی سطح کی سندی تحقیق کا آغاز کر کے اس کی سب سے پہلے تکمیل کی۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی بلوچستان کے اب تک واحد محقق بھی ہیں جنھوں نے دو مختلف مضامین میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔پی ایچ ڈی کی دونوں ڈگریاں انھوں نے سندھ یونیورسٹی جام شورو سے حاصل کی تھیں۔اس بارے میں صلاح الدین مینگل لکھتے ہیں:

''آپ اردو اور اسلامیات میں پی ایچ ڈی ہیں۔یعنی ڈبل پی ایچ ڈی ہیں۔بلوچستان کے لوکل باشندوں میں آپ نے سب سے پہلے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔جب آپ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تو اس وقت آپ کے ساتھ پورے ملک میں صرف تین اسکالروں کے پاس ڈبل پی ایچ ڈی تھی۔جن میں سے ایک پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر عبداللہ تھے۔''[۱۳]

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی بلوچستان کے معروف محقق ہیں ان کی تصانیف کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔وہ اردو اور براہوئی کے محقق ہیں۔ان کی علمی،ادبی،تحقیقی خدمات چالیس سال سے زیادہ پر محیط ہیں۔ انہوں نے اپنی پیشہ وارنہ سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۸۶ء میں جامعہ بلوچستان کے پاکستان اسٹڈی سینٹر میں لیکچرار کی حیثیت سے کیا تھا لیکن بعد میں عدلیہ سے منسلک ہو گئے۔اور ملازمت کے اختتام تک اسی شعبے سے وابستہ رہے۔اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایم صلاح الدین مینگل لکھتے ہیں:

''آپ نے ایم اے انگلش اور ایم اے اردو کی ڈگریاں بھی حاصل کی ہیں،ابتدا میں بلوچستان یونیورسٹی پاکستان سٹڈی سینٹر میں لیکچرر لگے بعد میں ۱۹۸۶ء کے اختتام پر استعفیٰ دے کر وکالت میں آئے۔مئی ۱۹۸۶ء میں ڈسٹرکٹ سیشن جج لگے۔۱۹۷۹ء میں آکسفورڈ گئے اور وہاں انگریزی پر اردو کے اثرات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس موضوع پر کتاب لکھ ڈالی جیسے مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

نے شائع کیا۔۔۔آپ کے مختلف مضامین ومقالات ملک کے مختلف رسائل وجرائد مثلاً نقاد، ماہ نو، سیارہ ڈائجسٹ، اردو ڈائجسٹ، بلوچی دنیا ملتان، جنگ کراچی، کوئٹہ، مشرق، اور لاہور، کوئٹہ وغیرہ میں چھپتے رہے ہیں۔۔۔

آپ نے براہوئی زبان وادب کی تاریخ پر خاصا کام کیا ہے۔آپ کی ایک کتاب براہوئی لوک کہانیاں (مطبوعہ لوک ورثہ اسلام آباد) کی چند کہانیوں کا ترجمہ جاپانی زبان میں ہو چکا ہے۔ایک اور کتاب براہوئی زبان وادب کی تاریخ مطبوعہ اردو مرکزی بورڈ (اب سائنس بورڈ) کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۔۔۔حکومت پاکستان کی جانب سے ان کو صدراتی ایوارڈ ''حسن کارکردگی'' عطا کیا گیا ہے۔جب کہ وہ life Achievement Award کے بھی مستحق ہیں۔'' ۱۴

عبدالرحمٰن براہوئی کی مختصر ادبی اور تحقیقی خدمات کا اعتراف اس لیے ضروری ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ بلوچستان میں اردو کے طالب علم اور محقق ان کی خدمات سے استفادے کی بجائے انھیں فراموش کرتے جا رہے ہیں۔جب کہ وہ بلوچستان میں اردو تحقیق کے سرخیل ہیں۔اور تحقیق کا بہت سا قابل قدر مواد اردو زبان وادب کو دے چکے ہیں۔

بیرون بلوچستان اردو میں پی ایچ ڈی مقالات لکھنے کا جو سلسلہ ۱۹۷۵ء میں شروع ہوا تھا وہ ۲۰۰۶ء تک اس طرح جاری رہا کہ کامیاب مقالے لکھ کر ڈگریاں حاصل کی گئیں۔صرف ایک مقالہ ایسا ہے جو نامکمل رہ گیا۔یہ بھی مقالہ نگار کی غفلت یا سست روی کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔محقق نے مقالے کا قابل ذکر حصہ مکمل کر لیا تھا۔آخری ابواب کی تسوید کا عمل باقی تھا کہ ان کے نگران کا انتقال ہو گیا۔اس کی تفصیل بتاتے ہوئے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں:

''اگست ۱۹۹۳ء میں مقبول ظفر سے سرراہ ملاقات ہوئی۔ملاقات کے موقع پر میرے ہم راہ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن یوسفی بھی تھے۔علیک سلیک کے بعد مقبول ظفر ہم دونوں کو اپنے گھر واقع موتی رام روڈ لے گئے۔اور جو کام اس وقت تک کیا تھا۔وہ ہمارے سامنے ڈھیر لگا دیا۔مختلف ابواب میں صفحات کے حاشیوں پر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی تنقیحات اور ہدایات موجود تھیں۔کہیں کہیں مواد قلم زد بھی کیا گیا تھا۔مواد کے سرسری جائزے اور محقق کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نصف کے قریب کام مکمل کر کے نگران کو دکھایا جا چکا ہے۔۱۵

مقبول ظفر ریٹائرمنٹ کے بعد کوئٹہ چھوڑ کر مستقل طور پر کراچی سکونت اختیار کر چکے ہیں۔بہت کوشش کے باوجود نہ تو ان سے ملاقات ہو سکی نہ ہی کسی ذریعے سے گفتگو کا موقع مل سکا۔اس لیے ان کے

پرانے ہم پیشہ اور واقف حال ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن سے اس سلسلے میں طویل انٹرویو کرنا پڑا جس کے بعض حصوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے مقبول ظفر کے مقالے کے مسودات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اوائل ۱۹۹۲ء میں شروع کیا جانے والا کام تکمیل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نامکمل کام کی تکمیل کی منصوبہ بندی کے لیے انھوں نے بنیادی ماخذات جمع کر لیے تھے۔ جس کے مطالعے سے باقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے عملی اقدامات شروع کیے جا چکے تھے۔ یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب تک مقالے کو مکمل کر سکتے تھے۔ لیکن ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن کی گفتگو سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ سال دو سال کی محنت کے بعد ان کا مقالہ مکمل ہو سکتا تھا۔ مگر افتاد یہ آن پڑی کہ ان کے نگران ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ جس سے تمام صورت حال ہی بدل گئی۔ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں:

> ''پروفیسر مقبول ظفر نے ۱۹۷۰ء میں لکھنے کا آغاز کیا۔ روزنامہ جنگ، نعرہ حق کوئٹہ میں مختلف موضوعات پر کالم، کتابوں پر تبصرے، فیچرز اور تحقیقی مضامین لکھتے ہیں۔ ایک سو پچاس کے قریب ریڈیو ڈرامے، چند افسانے اور خاکے بھی اثاثے میں شامل ہیں۔ ان کے پی ایچ ڈی کا مقالہ ''بلوچستان میں اردو ادب کا تنقیدی جائزہ'' پہلے نگران ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور پروفیسر جمیل اختر کے انتقال کی وجہ سے نامکمل رہ گیا۔ اس مقالے میں بلوچستان میں اردو کے آغاز سے لے کر اب تک اردو ادب کا نظری لحاظ سے جائزہ لیا گیا ہے اور اردو کے تمام اہم شعرا اور ادبا کی تخلیقات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس مطالعے سے بلوچستان میں لکھنے والوں کے رجحانات کی سمت متعین ہوتی ہے۔''[۱۶]

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے اس بیان سے مقالے کی تکمیل کے بارے میں متضاد صورت حال سامنے آتی ہے۔ ایک جانب وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ مقالہ نامکمل رہ گیا دوسری جانب یہ بھی کہتے ہیں ''اس مقالے میں بلوچستان میں اردو کے آغاز سے لے کر اب تک اردو ادب کا نظری لحاظ سے جائزہ لیا گیا ہے اور اردو کے تمام اہم شعرا اور ادبا کی تخلیقات کا احاطہ کیا گیا ہے۔'' یعنی وہ ایک طرح سے کہہ رہے ہیں کہ مقالہ مکمل ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ ڈگری کے حصول میں جن مشکلات سے محقق دوچار ہوئے تھے اس کی وجہ سے مقالہ نامکمل رہ گیا ہو۔ بعد میں اسی مقالے کو مکمل کہہ کر صرف اشاعت مقصود ہو۔ مگر اس کی اشاعت بھی اب تک نہیں ہو سکی ہے۔ اگر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے بیان کا مقصد یہی ہے تو اس کی تصدیق کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہو سکی۔

قمر الدین سید کا مقالہ ''سندھ میں غالب شناسی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مطابق زیر تحقیق ہے۔[۱۷] موصولہ اطلاعات کے توسط سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ محقق نے اس موضوع پر خاصا کام کر لیا تھا لیکن ''تحقیق'' شعبہ جاتی تحقیقی مجلّہ شمارہ ۱۵، اردو، سندھ یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء میں ڈاکٹر شکیل پتافی

کا مقالہ ''سندھ میں غالب شناسی کی روایت'' ۱۸ اشائع ہوا تھا۔ جو ص ۹۹ سے ۲۹۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالے کی اشاعت کے بعد محقق گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ اس صورت حال کو ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن نے اپنے انٹرویو میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''ڈاکٹر سید جاوید اقبال اس وقت کے صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی جام شورو ۲۰۰۷ء میں جامعہ بلوچستان کے شعبہ اردو کے بورڈ آف اسٹڈیز میں ماہر مضمون کی حیثیت سے شرکت کے لیے کوئٹہ تشریف لائے۔ میں بھی اس بورڈ آف اسٹڈیز کا ممبر تھا۔ دن بھر تو بورڈ کے اجلاس کی وجہ سے یونیورسٹی میں گزر گیا۔ مگر طے ہوا کہ شام کا کھانا اکھٹے کھایا جائے۔ لہٰذا سرینہ ہوٹل بروری کوئٹہ میں عشائیے کا اہتمام ہوا۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن یوسفی، ڈاکٹر خالد محمود خٹک اور میں اس محفل میں شریک تھے کہ قمر الدین کو بھی ڈاکٹر سید جاوید اقبال کی کوئٹہ آمد اور اس وقت ان کی ہوٹل میں موجودگی کی اطلاع کسی ذریعے سے مل گئی۔ وہ ڈاکٹر سید جاوید اقبال کی نگرانی میں مقالہ بہ عنوان ''سندھ میں غالب شناسی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' لکھ رہے تھے، بھاگتے دوڑتے آ گئے۔ اس موقع پر ڈاکٹر سید جاوید اقبال نے انھیں مطلع کیا کہ ڈاکٹر شکیل پتافی کا مقالہ ''سندھ میں غالب شناسی کی روایت''، تحقیق میں شائع ہو گیا ہے۔ جس پر موصوف بہت پریشان ہوئے۔ کہنے لگے کہ میں نے بہت سا کام کر لیا ہے۔ ڈاکٹر سید جاوید اقبال صاحب انھیں قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ اپنا موضوع تبدیل کروالیں۔ ایک دو مرتبہ انھوں نے اسی موضوع کو جاری رکھنے پر اصرار کیا مگر نگران نے منع کر دیا۔'' ۱۹

تحقیق شمارہ ۱۵ میں مذکورہ مقالہ کی اشاعت کو بھی اب چھے سال سے زائد ہو گئے ہیں۔ اس عرصے میں اگر موضوع کی تبدیلی یا پرانے موضوع پر کام جاری رکھا جاتا تو کسی نہ کسی فہرست یا دیگر ذرائع سے اس کی اطلاع ضرور ملتی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محقق نے یہ مقالہ نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح بلوچستان سے باہر کی جامعات میں اب تک صرف چھے مقالات ایسے لکھے گئے ہیں جو تکمیل کو پہنچے ہیں۔ ۲۰۰۸ء کے بعد کوئی اور موضوع اس سطح کی تحقیق کے لیے رجسٹرڈ نہیں ہوا ہے۔ جامعہ بلوچستان اور بیرون بلوچستان جامعات میں ۲۰۰۸ء کے بعد کی صورت حال یکساں ہے۔ رفتار تحقیق کا جائزہ لیا جائے تو بیسویں صدی کے اکیس سالوں میں تین مقالات تحریر کیے گئے ہیں۔ جب کہ اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں بھی تین مقالات مکمل ہوئے ہیں۔ دوسرا عشرہ ابھی جاری ہے۔ آئندہ کی صورت حال کیا ہو گی؟ بظاہر تو صورت حال مایوس کن نہیں ہے۔ بلوچستان کے محقق ریحان فیصل نے اسلام آباد یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے داخلہ لیا ہے۔ فی الوقت وہ کورس ورک کر رہے ہیں۔

حواشی

۱۔ معصومہ علی پہلے سیشن کی ہونہار طالبہ تھیں اس سیشن میں انھوں نے شعبۂ اردو کی جانب سے اب تک کے دو گولڈ میڈل میں سے پہلا گولڈ میڈل حاصل کرنے کا اعزاز بھی کیا۔ ۲۰۱۰ء سے وہ شعبہ اردو میں بطور لیکچرر فرائض انجام دے رہی تھیں۔ اب مستعفی ہو کر مستقل لاہور چلی گئی ہیں۔

۲۔ ایس بی کے وومنز یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی تینوں بانی اساتذہ نے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن کی رہنمائی میں شب و روز بے لوث خدمات انجام دیں۔ جس کی وجہ سے شعبہ کے قیام کے صرف چار سال بعد ۲۰۰۹ء میں ایم فل کی کلاسوں کا اجرا کر دیا گیا۔

۳۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''تحقیق کا فن''، ص ۵۷۔۶۰

۴۔ حمیرا اسد وزئی نے ایم فل کی تحقیق بہ عنوان ''جوش کی شاعری اور اس کا سیاسی پس منظر'' کا آغاز ڈاکٹر فاروق احمد کی نگرانی میں کیا تھا۔ جنوری ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر فاروق احمد کی وفات کے بعد نگران کی تبدیلی کا عمل وجود میں آیا۔ ڈاکٹر خالد محمود خٹک کی نگرانی میں یہ مقالہ تکمیل کو پہنچا اور پروویژنل ڈگری دی گئی۔ پروفیسر ندیم خان نے اپنے مقالہ ''جامعہ بلوچستان میں اردو تحقیق'' میں جامعہ بلوچستان کے اسکالرز ایم فل (اردو) کے اشاریے ص ۵ پر اسے تکمیل شدہ ظاہر کیا ہے۔ جس سے التباس پیدا ہوتا ہے کہ ۲۰۱۲ء میں ایم فل کی ڈگری مل گئی تھی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ ایم فل کے نتیجے کا اعلان ۲۰۱۳ء میں کیا گیا ہے۔

۵۔ پروفیسر محمد ندیم خان کے مختصر مقالہ ''جامعہ بلوچستان میں اردو تحقیق'' ص ۵ میں ''جامعہ بلوچستان کے اسکالر ایم فل (اردو)'' کے عنوان سے نمبر شمار ۶، پر کیفیت میں تکمیل شدہ ۲۰۱۲ تحریر ہے۔ کیفیت ''تکمیل شدہ'' میں درج پہلے پانچ مقالات پر ڈگری دی جا چکی ہے۔ مگر جامعہ کے متعلقہ ریکارڈ کی فائلوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جولائی ۲۰۱۴ء تک اس مقالے پر ڈگری دینے کے احکامات صادر نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح محمد ندیم خان کا بیان اس حد تک تو درست ہے کہ مقالہ نگار نے اپنا مقالہ ۲۰۱۲ء مکمل کر لیا تھا لیکن ان کی منشا کے مطابق ''تکمیل شدہ'' کی اصطلاح پر پورا نہیں اترتا ہے۔

۶۔ جامعہ بلوچستان کے متعلقہ ریکارڈ کے مطالعہ کے دوران میں اس وقت بہت حیرت ہوئی جب نمبر شمار ۳ کا موضوع ''بلوچستان میں اردو لغات'' نظر سے گزرا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب تک اس خطے میں اردو کے کسی لغت کی طباعت ہی نہیں ہوئی ہے۔ موضوع کی رجسٹریشن کے وقت تک ایم فل یا پی ایچ ڈی کا مقالہ تو کجا اس نوع کا کوئی موضوع بھی بلوچستان کے محققین نے پاکستان کی کسی جامعہ میں منظور نہیں کرایا تھا۔ البتہ ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن نے ڈاکٹر اسلم فرخی کے کہنے پر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی مجوزہ اردو لغت پر جزوی کام شروع کیا تھا۔ وہ اس زمانے میں حرف ''ڈ'' کے کارڈ بنا کر لغت نویسی سے منسلک ہوئے تھے۔ جس کے لیے ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب نے انھیں راہ نمائی کا مواد بھی فراہم کیا تھا۔

سال ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر اسلم فرخی کی اس جانب دل چسپیاں ماند پڑنے پر انھوں نے بھی لغت نویسی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یوں وہ پہلی جزوی اردو لغت نویسی جو اس خطے میں شروع ہوئی تھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکی۔ ایسی صورت میں مذکورہ موضوع تجویز کرنے اور جانچ کے مختلف مراحل گزار کر اسے منظور کیے جانے کا جواز کیا ہو سکتا ہے؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیدوار نے اپنی تحقیقی تجویز اور خاکے میں جو موضوع منتخب کیا تھا وہ ''بلوچستان میں اردو نعت تھا''۔ اسی لیے موضوع کو جامعہ نے مختلف مراحل سے گزار کر منظور کیا تھا۔ لیکن جب رجسٹریشن کے مراسلے کا اجرا کیا گیا تو ٹائپ کے عمل میں اردو لفظ ''نعت'' کو انگریزی میں ''Lughat'' لکھ دیا گیا ہے۔ اس لیے یہاں جو فہرستیں دستیاب ہیں ان میں موضوع تحقیق ''بلوچستان میں اردو لغت'' ہی لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس وقت مقالہ نگار اس غلطی سے بے خبر اپنا اصل کام کر رہی ہیں۔ جس سے مستقبل میں ان کے لیے شدید الجھن پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود محقق کس بے خبری سے دوچار ہے۔ کہیں بھی نشان دہی نہ ہونا اور چار سال کا طویل عرصہ گزر جانا؟ سب کے لیے سوالیہ نشان ہے۔

۷۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''تحقیق کا فن''، ص ۶۱۔

۸۔ پروفیسر ندیم خان نے اپنے مقالہ ''جامعہ بلوچستان میں اردو تحقیق'' کے ص ۵ پر ''جامعہ بلوچستان کے اسکالرز پی ایچ ڈی (اردو)'' کے عنوان سے جو اشاریہ مرتب کیا ہے اس میں موضوع ''محمد حسین عنقا: احوال و آثار'' لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ اصل مقالہ، رجسٹریشن کے مراسلے اور تحقیقی تجویز میں موضوع ''محمد حسین عنقا: افکار و آثار'' درج ہے۔ جو درست ہے۔

۹۔ ۷۔ محمد ندیم خان، پروفیسر: ایضاً ص ۲۔

۱۰۔ ۱۳ محمد ندیم خان، پروفیسر: ایضاً ص ۳۔

۱۱۔ مقبول علی ظفر کی پی ایچ ڈی کی رجسٹریشن کا کسی فہرست میں ذکر نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دو ماخذات دستیاب ہیں۔ ایک تحریری ہے جس سے مکمل تفصیلات سامنے نہیں آتی ہیں۔ یہ ''بلوچستان میں تذکرہ اردو'' از ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا ص ۱۷۸ ہے۔ دوسرا ماخذ ڈاکٹر ضیاء الرحمن کا انٹرویو ۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء بہ مقام کوئٹہ ہے۔ جس سے موضوع کی رجسٹریشن کا سال معلوم ہوا ہے۔ جو ''بلوچستان میں تذکرہ اردو'' میں نہیں ہے۔ انہیں ماخذات سے رجسٹریشن کے کوائف درج کیے گئے ہیں۔ موجودہ صورت حال میں ان کو ہی درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ عبدالرحمن، براہوئی: براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۳۔

۱۳۔ صلاح الدین، ایم مینگل: تعارف، مشمولہ، براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ، از عبدالرحمن براہوئی، ص ۱۵۔

۱۴۔ صلاح الدین، ایم مینگل: ایضاً ص ۱۵۔۱۶۔

۱۵۔ ضیاء الرحمن، ڈاکٹر انٹرویو، ۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء۔

۱۶۔ انعام الحق، کوثر، ڈاکٹر: بلوچستان میں تذکرہ اردو، ص ۱۷۸۔

۱۷۔ رفیع الدین، ہاشمی، ڈاکٹر: جامعات میں اردو تحقیق، اندراج نمبر ۱۲۸۴، ص ۶۰۔

۱۸۔ تحقیق، شمارہ ۱۵، ص ۹۹۔
شمارے کی فہرست مشمولات میں مقالہ کا عنوان ''سندھ میں غالب شناسی'' مندرج ہے جب کہ اسی شمارے کے ص ۹۹ پر جہاں سے مقالہ شروع ہوا ہے مقالہ کا عنوان جلی حروف میں ''سندھ میں غالب شناسی کی روایت'' لکھا گیا ہے۔

۱۹۔ ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر، انٹرویو، کوئٹہ، ۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء۔

فہرست اسنادِ محولہ:

کتب:

۱۔ براہوئی، عبدالرحمن :۲۰۰۶ء، ''براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ''، کوئٹہ، براہوئی اکیڈمی (رجسٹرڈ) پاکستان۔

۲۔ خان، محمد ندیم :اپریل ۲۰۱۳ء، ''جامعہ بلوچستان میں اردو تحقیق''، غیر مطبوعہ مقالہ، کوئٹہ۔

۳۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر :۲۰۰۶ء، ''بلوچستان میں تذکرہ اردو''، ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان، کوئٹہ۔

۴۔ گیان چند، ڈاکٹر :۱۹۹۴ء، ''تحقیق کا فن''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۵۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر :۲۰۰۹ء، ''جامعات میں اردو تحقیق''، ایچ۔ای۔سی، اسلام آباد۔

مجلہ:

''تحقیق''، شمارہ ۱۵، ۲۰۰۷ء، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

بالمشافہ انٹرویو:

ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر :۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء، بہ مقام دفتر ڈین سوشل سائنسز، ایس کے بی وومنز یونیورسٹی، کوئٹہ۔

محمد اصغر

مولانا احمد رضا خاں کی تحریفِ حرفی اور طنز و مزاح

مولانا احمد رضا خاں ہندوستان کے شہر بریلی کے محلّہ جسولی میں ۱۰ر شوال المکرّم سن ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ر جون سن ۱۸۵۶ء، ۱۱۔ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت بروز ہفتہ ظہر کے وقت پیدا ہوئے۔ جس مکان میں آپ کی پیدائش ہوئی وہ محلّہ ذخیرہ میں املی والی مسجد کے ساتھ واقع تھا۔[1] آپ کا نام آپ کے جد امجد مولانا محمد رضا علی خاں (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) نے جو افغانستان کے مشہور قبیلے بڑھچ کے سردارزادے تھے، احمد رضا تجویز کیا[2] اور یہی نام معروف ہوا جب کہ تاریخی نام المختار ہے۔[3] آپ کے والد محترم مولانا محمد نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) اور جد امجد مولانا محمد رضا علی خاں (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) اپنے دور کے جلیل القدر عالم اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی کا نام مولانا حسن رضا خاں تھا جو ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں محلّہ سوداگران، بریلی میں پیدا ہوئے۔ مولانا حسن رضا معروف شاعر نواب میرزا خاں داغ کے شاگرد تھے۔ فنِ نعت گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے مشہور شعری مجموعے "ثمرِ فصاحت" اور "ذوقِ نعت" کے عنوانات سے شائع ہوئے اور خوب مقبولیت حاصل کی۔[4] مولانا احمد رضا خاں کو بھی بچپن سے حصولِ علم کا شوق تھا۔ آپ کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ سبق پڑھتے ہی حرف بحرف یاد کر لیتے جس پر استاد بھی محوِ حیرت تھے۔[5]

مولانا احمد رضا خاں کے چند اساتذہ کرام کے نام یہ ہیں:

۱۔ شاہ آلِ رسول مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء)
۲۔ مولانا محمد نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء)
۳۔ شیخ احمد بن زین دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء)
۴۔ شیخ عبدالرحمان سراج مکی (م ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء)
۵۔ شیخ حسین بن صالح (م ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء)
۶۔ شیخ شاہ ابوالحسین احمد النوری (م ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء)
۷۔ مولانا عبدالعلی رام پوری (م ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء)

مولانا احمد رضا خاں کا سلسلۂ اسناد درج ذیل علمائے کرام سے جا ملتا ہے:

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)
۲۔ مولانا محمد عبد العلی لکھنوی (م ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء)
۳۔ شیخ عابد السندی المدنی[۶]

مولانا احمد رضا خان کی علمی صلاحیتوں کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین (وائس چانسلر، مسلم یونی ورسٹی)[۷] کو جب مولانا سلیمان اشرف کی وساطت سے آپ کی خدمت میں لایا گیا کہ ڈاکٹر موصوف ریاضی کے ایک مسئلے پر اپنی زندگی کے قیمتی سال صرف کر چکے ہیں اور فیثا غورثی فلسفۂ کشش ان پر چھایا ہوا ہے تو مولانا احمد رضا خان نے عصر و مغرب کی درمیانی مختصر مدت میں اس مسئلے کا حل بھی تحریر کرا دیا اور فلسفۂ کشش کی وضاحت بھی لکھوا دی؛ جو رسالے کی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ایسے فاضل کے ہوتے ہوئے ہم یورپ کیوں گئے؟ انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار اجمالاً ان الفاظ میں کیا:

"اپنے ملک میں جب معقولات کا ایسا ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا اپنا وقت ضائع کیا۔"[۹]

آپ کا بچپن نہایت مرفہ الحالی میں بسر ہوا۔ آپ فطری ذہانت اور قوت حافظہ کے مالک تھے۔ آپ نے بچپن ہی سے اعلیٰ اخلاق اور اطاعتِ رسول کو اس طرح اپنایا کہ ابتدا ہی سے سعادت مندی کے آثار نمایاں طور پر دکھائی دینے لگے۔ مولانا احمد رضا خاں کی ذہانت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے چار سال کی انتہائی کم عمری میں ۱۲۷۶ھ بمطابق ۱۸۶۰ء میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا۔[۹] چھے سال کی عمر میں آپ نے پہلی تقریر ربیع الاول ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۸۶۱ء میں میلاد کے موضوع پر کی۔[۱۰] پہلی عربی تصنیف ۱۲۸۵ھ بمطابق ۱۸۵۸ء میں مکمل کی۔[۱۱]

چودہ برس کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل اپنے والدِ محترم مولانا نقی علی خاں سے کی۔[۱۲] آپ کا حافظہ اس قدر مضبوط تھا کہ ابو حامد سید محمد محدث کچھوچھوی بیان کرتے ہیں کہ فقہ کی جزئیات اور حوالہ جات کی تلاش کے لیے لوگ ان سے دریافت فرماتے تو آپ فوراً بتا دیتے کہ ردالمختار جلد فلاں کے فلاں صفحہ اور فلاں سطر پر جزئیہ دیکھ لیجیے اور عبارت یہ ہے۔ اسی طرح عالمگیری، ہندیہ، خیریہ اور مبسوط ایسی ایک ایک کتابِ فقہ کی عبارت اور حوالہ بیان کر دیتے۔ جب دیکھا جاتا تو بالکل درست ہوتا۔ اسے یہی کہا جا سکتا ہے کہ خداداد صلاحیت کی بنا پر انھیں چودہ سو سال کی کتب یاد تھیں۔[۱۳] مولانا سید ایوب علی قادری (م ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء) تحریر کرتے ہیں کہ کسی نے آپ کے نام کے آگے حافظ لکھ دیا تو اسی روز سے دورِ قرآن شروع کر دیا،

جس کا وقت غالباً عشا کے وضو سے جماعت قائم ہونے تک مخصوص تھا۔ یوں روزانہ کی بنا پر ایک ماہ کے قلیل عرصے میں حفظ مکمل کر لیا۔[۱۴]

آپ کی دستار فضیلت شعبان ۱۲۸۶ھ بمطابق ۱۸۶۹ء کو ہوئی جب آپ کی عمر صرف تیرہ برس، دس ماہ اور پانچ دن تھی۔[۱۵] ۱۴ ار شعبان ۱۲۸۶ھ بمطابق ۱۸۶۹ء کو فاتحہ فراغ ہوا اور اسی روز رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد محترم کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ یہی دن تھا کہ فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا اور تمام زندگی یہ سلسلہ جاری رہا۔[۱۶] یہ فتویٰ تھا کہ منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے جوف میں پہنچے گا حرمت رضاعت لائے گا۔ بحوالہ ملفوظات (حصہ اول) ص ۲۴۔ فتویٰ نویسی میں آپ منفرد مقام رکھتے ہیں جسے اہل علم نے تسلیم کیا۔ آپ نے ابتدائی کتابیں جن اساتذہ سے پڑھیں ان میں مرزا مولوی غلام قادر بیگ بریلوی ہیں جنھوں نے آپ کو میزان منشعب کی تعلیم دی۔ باقی کتبِ نصاب اپنے والدِ محترم مولانا نقی علی خاں سے پڑھیں۔[۱۷]

مولانا احمد رضا خاں نے درسی علوم کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بھی کمال حاصل کیا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ بعض علوم وفنون ایسے ہیں کہ جن میں بغیر کسی استاد کی رہنمائی کے آپ نے خداداد صلاحیت کی بنیاد پر مہارت حاصل کی۔ ان علوم کی تعداد چون بیان کی جاتی ہے۔ جن میں سے کئی فنون تو ایسے ہیں کہ دورِ جدید کے بڑے بڑے محقق ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں۔[۱۸]

مولانا احمد رضا خاں کی کتب پر علمائے عرب نے تقاریظ بھی تحریر کیں۔ "الدولة المكية بالمادة الغيبيه" پر ستر علمائے عرب کی تصدیقات ہیں۔ جن اصحاب نے تقاریظ تحریر کیں ان کے اسما حسب ذیل ہیں:۔

مولانا عبدالرحمٰن تتوی، احمد الجزائری بن السید احمد المدنی، شیخ اسمٰعیل ابن خلیل، حسین بن محمد، شیخ محمد یحییٰ، احمد بن محمد بن محمد خیر السندی، سید عمر بن سید مصطفیٰ غیطہ، عبدالقادر حلمی الُسنی الخطیب، عبدالکریم ابن التارزی بن عزوز الطیونسی، عبداللہ احمد سعد گیلانی، علی بن علی الرحمانی، محمد بن سید الواسع حسینی الادریسی، محمد توفیق الایوبی الانصاری، یعقوب بن رجب، محمد یٰسین بن سعید، محمد بن صبغۃ اللہ، محمود بن علی عبدالرحمٰن الشوبل، مصطفےٰ ابن القادری بن غزہ الطیونسی، موسیٰ علی الشامی الازہری الاحمدی، ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السندی، یٰسین احمد الخیاری، یوسف بن اسمٰعیل النبہانی، احمد رمضان، عبدالحمید بکری العطار شافعی، محمد امین سوید، محمد امین السفر جلانی، محمود بن سید العطار، محمد تاج الدین بن محمد بدرالدین، محمد عطاء اللہ القم، محمد القاسمی، محمد یحییٰ القلی النقشبندی، محمد یحییٰ المکی الحسینی اور مصطفیٰ بن آفندی الشطی۔[۱۹]

مولانا احمد رضا خاں کا عشقِ رسول ؐ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی ساری زندگی عشق رسول ؐ کا حسین مرقع تھی۔ آپ کا سینہ محبتِ رسول ؐ کے خزانے سے معمور تھا۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی تحریر کرتے ہیں:

"اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ ہوگا۔"[20]

آپ نے تمام عمر کسی نواب اور دنیاوی حکمران کی شان میں قصیدہ نہیں لکھا۔ اس کا اظہار اپنی ایک نعت کے مقطعے میں اس طرح کیا ہے:

کروں مدح اہلِ دُول رضؔا پڑے اِس بلا سے مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین "پارۂ ناں" نہیں

ان کی نعتیہ تخلیقات میں عشقِ رسول کی شمع فروزاں دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام بزمِ ہدایت کے پروانوں کو حرزِ جاں ہے۔

مولانا احمد رضا خاں تقریر، تحریر اور تدریس کی تینوں ابلاغی صلاحیتوں پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انھوں نے تحریر کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور تمام عمر تصنیف و تالیف میں بسر کی۔ مولانا احمد رضا خاں نے علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ پر ایک ہزار سے زائد کتابیں اور رسالے تحریر کیے ہیں۔[21] ان کی بیسیوں مطبوعہ کتب اور تقریباً دوسو (۲۰۰) مخطوطات ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے ۱۹۸۸ء تک شائع شدہ فتاویٰ رضویہ کی جلدوں پر "موضوعاتی جائزہ" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جسے بعد میں علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔[22]

مولانا احمد رضا خاں کو شاعری ونثر نگاری پر مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ کی نثر اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ آپ کی تحریر سلاست وروانی، شیریں بیانی، استعارات کی جودت اور اسلوب کی نفاست کی مرقع ہے۔ قرآنِ مجید پر گستاخانہ اعتراض پر آپ نے اپنی کتاب "الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام"[23] میں عیسائیوں کے عقائد پر اس طرح تبصرہ ظاہر کیا جو مقفیٰ و مسجع عبارت کا بہترین شہ پارہ ہے:

"خدارا انصاف وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن۔ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں۔ ایک خدا کو تین مانیں۔ پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں۔ بے مثل، بے کفو کے لیے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں۔ اس کی بندی، ستھری کنواری ماں وپاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں۔ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی۔ باپ خدا اور بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کے جہنم کو بیٹے سے ہی لاگ۔ سرکشوں کی چھٹی۔ بیگناہ آگ۔ امتی ناجی، رسول ملعون۔ معبود پر لعنت، بندے مومون۔ تف تف۔ وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چوسیں۔ اس کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اف

اف، وہ گندے جو انبیاء رسل پر الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن گھن کھائیں۔ سخت فحش بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں۔ زہ زہ بندگی! اخ خہ تعظیم۔ بہ بہ تہذیب قہ قہ تعلیم۔" ۲۴

درج بالا نثری شہ پارے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی تحریر میں ادبی چاشنی اور فکر و قلم کی روانی کس قدر زیادہ ہے۔ ایسی روانی اور پختگی برسوں کی ریاضت کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ وہ ایک عالمِ دین و مفتی کے ساتھ ساتھ نہایت اعلیٰ درجے کے ادیب بھی ہیں۔ ان کی نثری تخلیقات کی ضخامت ہزاروں صفحات پر محیط ہے۔

آپ نے اپنی وفات سے چار ماہ بائیس روز قبل خود اپنی وفات کی خبر دے کر ایک آیتِ قرآنی سے سال کا استخراج کیا تھا۔ ۲۵ وہ آیتِ مبارکہ یہ ہے:

ویطاف علیھم با نیۃ من فضۃ و اکواب O

"اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا۔" ۲۶

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸ را کتوبر ۱۹۲۱ء ۲۷ کو بروز جمعۃ المبارک ہندوستان کے وقت کے مطابق ۲ بجکر ۳۸۔ منٹ پر نمازِ ظہر کی اذان کے ساتھ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کے الفاظ ادا کیے تو مولانا احمد رضا خاں نے خالقِ حقیقی کو لبیک کہا۔ ۲۸ آپ کا مزار بھارت کے شہر بریلی شریف میں ہے۔

تحریر میں شگفتگی اور مزاح عطیۂ خداوندی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادبی مزاح کی تخلیق میں نزاکت اور زبان پر قدرت بھی نہایت اہم ہے۔ اردو ادب میں عظیم مزاح نگار، تحریف، واقعاتی منظر نگاری اور خداداد تخلیقی صلاحیتوں سے معیاری شہ پارے تخلیق کرتے ہیں۔ ان کی خلاقانہ کاوش کے پسِ پردہ زبان پر کامل دسترس اور لسانی شعور ہوتا ہے۔ کتابوں کے عنوانات اور دیگر الفاظ و محاورات میں معمولی سی حرفی یا اعرابی تبدیلی سے مزاح پیدا کیا جاسکتا ہے۔ "اردو کی آخری کتاب"، "خمارِ گندم"، "زرگزشت" اور "آبِ گم" اس کی امثلہ ہیں۔ بعض اوقات مزاح نگار لطیف انداز کو اپنانے کی سعی و کوشش کرتا ہے۔ جیسے ڈاکٹر انور سدید نے "غالب کے نئے خطوط" اور محمد خالد اختر نے "مکاتیب خضر" میں کی ہے۔ اس اندازِ مزاح کو تقلیبِ خندہ آور (BURLESQUE) کا نام دیا جاتا ہے۔ تحریف (PARODY) سے تو ہر ایک واقف ہے لیکن تقلیب خندہ آور (BURLESQUE) کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کا مقصد اصل کا مذاق اُڑانا نہیں ہوتا ہے بلکہ تحسین کے ساتھ اسی انداز کو اپنانا ہے۔ ۲۹ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تقلیب خندہ آور (BURLESQUE) کی تعریف قومی انگریزی اردو لغت میں ان الفاظ میں کی ہے:

" ڈرامائی قسم کا ادبی و لسانی عجوبہ جو ہجو یا ہجو نما ہو۔" ۳۰

ڈاکٹر جمیل جالبی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تقلیب خندہ آور (BURLESQUE) ایسا ادب پارہ ہوتا ہے جو پیشکش میں مضحک لفاظی بن کر رہ جاتا ہے۔[۳۱] پروفیسر بشیر احمد قریشی کتابستان کے انگریزی لغت میں اس کی تعریف ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

> "Making an amusing insitation of some" style of writing, etc., with an air of assumed seriousness." [۳۲]

آکسفرڈ انگریزی لغت میں اس کی تعریف ان الفاظ میں دی گئی ہے:

> Burlesque is a literary , dramatic or musical work intended to cause laughter by caricaturing the manner or spirit of serious works, or by ludicrous treatement of their subjects. [۳۳]

عام طور پر علما کو سخت اور مزاح سے عاری تصور کیا جاتا ہے۔ ایک عام رائے یہی ہے کہ مولوی صاحبان مزاح کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ مصنف مولانا فیض احمد اویسی اپنی تصنیف میں اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''ویسے علمائے باعمل کے بارے میں تصور عام ہے کہ وہ خشک مزاج، نک چڑھے، چڑ چڑے اور روتی صورت ہوتے ہیں۔ خشیت الٰہی کے سبب اگر کوئی شخص ہر وقت غمگین رہتا ہے یا غیر شرعی باتوں پر خفگی کا اظہار کرتا ہے تو یہ اچھی بات ہے لیکن بے وجہ یا خود کو باوقار ظاہر کرنے کے لیے ان چیزوں کو اپنا لینا پسندیدہ نہیں۔''[۳۴]

اسلام مزاح میں شدت کی نفی کرتا ہے۔ ہنسی مذاق صحت کے لیے بھی موزوں ہے۔ ڈاکٹرز مریضوں کے لیے ہنسی کو مفید قرار دیتے ہیں اور اسلام میں بھی اس کی ممانعت نہیں۔[۳۵]

بعض اوقات ہنسی میں اصلاح کا پہلو آ جاتا ہے۔ طنز ایک ایسا طرز مزاح ہے کہ جسے انتہائی دشوار تصور کیا جاتا ہے۔ مولانا فیض احمد اویسی مزاح کی اس قسم طنز کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ظرافت کی اعلیٰ قسم ہے لیکن اس کو برتنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب بعنوان ''اسلامی ہنسی مذاق'' میں لکھا ہے:

> ''صالح طنز نگاری کے لیے بڑی مشاقی کی ضرورت ہے۔''[۳۶]

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی حس مزاح موجود تھی۔ ایک مرتبہ حضرت جامی کے ایک شعر پر ایک جاہل شاعر نے اعتراض کیا، شعر یہ تھا:

بس کے در جان فگار و چشم بیدار توئی

ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

(میرے دل اور آنکھوں میں تو ہی سمایا ہوا ہے۔ اس لیے تو جب کوئی دور سے آتا دکھائی دے تو میں سمجھتا ہوں کہ تو ہی ہے)

معترض شاعر نے کہا کہ اگر کوئی گدھا دور سے آتا دکھائی دے تو آپ کیا سمجھیں گے؟ مولانا نے فرمایا "پندارم توئی" میں سمجھوں گا کہ تو ہی ہے۔[۳۷]

مولانا احسان الٰہی ظہیر (مدیر ماہنامہ "جام عرفان" ہری پور ہزارہ) تحریر کرتے ہیں کہ بچپن کے دنوں کی یاد ہے کہ میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا مگر عربی لغات سے نا آشنا تھا۔ ایک روز خانقاہ شریف کے مویشی خانے میں بھینس کی ایک بچی جسے مقامی بولی میں "کٹی" کہا جاتا ہے۔ بندھی، دم ہلا رہی تھی، سید محمود شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ "کٹی پوچھل ہلیندی اے" (کٹی دم ہلاتی ہے) کی عربی کیا ہوگی؟ میں "کٹی" کی عربی سے ناواقف تھا اس لیے فوراً عربی طریقے سے مؤنث کا صیغہ اور ضمیر لگائی اور کہا:

"الکٹة تحرك پوچھلها" شاہ صاحب بہت ہنسے۔[۳۸]

اہل دربار بھی مزاح کو زندگی کا لوازمہ قرار دیتے تھے۔ استاد ابراہیم ذوقؔ دہلوی، غالبؔ اور دیگر شعراء کے لطیف مزاح سے اکثر اوقات محفل کشتِ زعفران ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ماہ رمضان میں مرزا غالب نواب حسین مرزا کے پاس گئے اور پان منگوا کر کھایا۔ ایک متقی و پرہیز گار شخص نے بڑی حیرت سے دریافت کیا، حضرت آپ روزہ نہیں رکھتے۔ مرزا غالبؔ مسکرا کر بولے کہ شیطان غالب ہے۔[۳۹] مولانا اکبر الہ آبادی کو گوہر نامی ایک طوائف نے درخواست کی کہ حضرت میرے لیے کوئی شعر کہیے۔ اکبرؔ الہ آبادی نے فی البدیہہ کہا:

خوش نصیب آج بھلا کون ہے گوہر کے سوا

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا[۴۰]

علمائے کرام کی بذلہ سنجی اور مزاح سے انکار ممکن نہیں۔ حضرت محمد قاسم نانوتوی اور دیگر علما کے مزاح سے بھرپور تحریف حرفی کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا فیض احمد اویسی، مولانا محمد بشیر کوٹلوی[۴۱] کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"متحدہ ہندوستان کے زمانے میں اکثر دہلی جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ فراش خانہ کے جلسہ میلاد شریف میں گیا تو ایک دہلوی مولوی صاحب سے تعارف حاصل ہوا، دہلی والوں نے پوسٹر میں میرے نام

کے ساتھ ''شیر پنجاب'' لکھا تھا اور ان مولوی صاحب کے نام کے ساتھ ''فخرِ دہلی'' لکھا تھا ایک مجلس میں سارے احباب بیٹھے تھے یہ پوسٹر سامنے تھا دہلوی صاحب نے مزاحاً کہا:- ''مولانا اگر ''شیر پنجاب'' کے ساتھ سے ''ی'' اڑ جائے تو باقی کیا رہ جائے گا۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ شیر پنجاب سے ''ی'' نکال دی جائے تو باقی ''شرِ پنجاب'' یعنی ''پنجاب کا فتنہ'' رہ جائے گا۔ میں عرض کیا اور مولانا! اگر ''فخر دہلی'' کے فخر سے ''ف'' اُڑ جائے تو باقی کیا رہ جائے گا''۔؟

''خرِ دہلی یعنی دہلی کا گدھا''۴۲

حاضرین میں موجود ایک شاعر جن کا تعلق دہلی سے تھا، بڑی متانت سے بولے کہ ان حروف ''ی'' اور ''ف'' کو اڑا ایے مت بلکہ استعمال میں لایئے اور ''شیر'' کی ''ی'' ان مولانا کو عنایت کیجیے تا کہ یہ ''خر'' کے درمیان لگا کر ''خیر'' پائیں اور ''فخر'' کی ''ف'' آپ لیجیے تا کہ ''شر'' سے ''شرف'' حاصل ہو سکے۔۴۳

مولانا احمد رضا خان (بھی عالمِ دین اور سنجیدہ مزاج ہونے کے باوجود) نہایت خوش مزاج (خوش طبع) اور مزاح کی ادبی باریکیوں سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے (اپنے نثری نمونوں میں کثرت سے) ادبی مزاح کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں۔ ان کے ادبی مزاح کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اعراب اور حروف کاری کی باریکیوں سے بھی اعلیٰ درجے کا مزاح پیدا کر لیتے اور تحریفِ حرفی کو تحریفِ معنوی میں بدل دیتے اور عام الفاظ کو خوب صورت محاورے میں ڈھال کر حسنِ تحریف کے اعلیٰ ذوق کا اظہار کرتے تھے۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں موجود ان کی تحریفِ حرفی کی مثال ملاحظہ کیجیے:

''کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اسکا نام ''آریہ دھرم پرچار'' رکھا۔ جب وہ کتاب چھپی تو مصنف نے ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ پر اس کا رد حاشیہ پر لکھا، اور اسی طرح جلی قلم سیاہ روشنائی سے ''پرچار'' کے بعد ''حرف'' بڑھا دیا۔''۴۴

یوں کتاب کے عنوان ''آریہ دھرم پرچار'' کے آگے صرف ایک لفظ ''حرف'' کا اضافہ کر دیا، جس سے کتاب کا عنوان اور مفہوم یکسر بدل گیا کہ ''آریہ دھرم پر چار حرف''۔ لسانی اور حروف سازی و لفظ گری کے اعلیٰ ذوق سے ''چار حرف'' کو بطور محاروہ اس طرح استعمال کیا کہ تحریفِ حرفی کی لطافت نمایاں ہوئی اور ساتھ ہی معنوی تضاد بھی قائم ہو گیا۔

مختلف مذاہب و مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی کتابوں کے نسخے اور خطوط آپ کو بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے مذہب کی حمایت و معاونت میں ایک کتاب کتاب تحریر کی اور اپنے طور پر عربی ادب کا بہت خیال رکھا، اور صنائع و بدائع کا بھی دامن نہ چھوڑا۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب کا

عنوان ''جناس الاجناس'' رکھا۔ اس کا ایک نسخہ جب مولانا احمد رضا خان کو موصول ہوا تو انھوں نے ملاحظہ کرنے کے بعد یہی کتاب مولانا محمد ظفر الدین بہاری کو دی اور کہا کہ یہ کتاب آج کی ڈاک سے آئی ہے۔ عنوان پر تحریفِ حرفی اس انداز سے کی کہ مولانا موصوف تحریر کرتے ہیں:

> ''اب جو میں (مولانا محمد ظفر الدین بہاری) اس کا نام پڑھتا ہوں، تو ''انجاس الخناس'' ہے۔ حیرت میں پڑ گیا کہ مصنف نے یہ کیا نام رکھا ہے؟ جب غور سے دیکھا تو ''جناس'' کے اول ''ان'' بڑھا ہوا ہے، اور جناس کو ملا کر ''ن'' کا شوشہ غائب ہو گیا۔ دوسرے لفظ سے لا کر سیاہی سے بھر دیا کہ پھول معلوم ہونے لگا۔ ''ج'' کے اوپر ''الخ'' بڑھا دیا۔''۴۵

تحریفِ حرفی کے ساتھ ساتھ تحریفِ معنوی کی ایک عمدہ مثال پیش کی جاتی ہے جس میں مصنف کے نام اور کتاب کے عنوان میں املا اور ''ن''۔ ''ف'' کے فرق سے معنوی اور فکری تبدیلی رونما ہوئی۔ مولوی خرم علی بلہوری معروف عالم تھے۔ انھوں نے ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان تھا ''نصیحۃ المسلمین'' کتاب مذکور میں کچھ اختلافی باتیں تھیں۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں:

> ''مطبع والے مصنف کا نام اس طرح ملا کر لکھا خرمعلیٰ۔ میں نے جس زمانے میں حضرت کا کتب خانہ درست کرنا شروع کیا، ایک کتاب دیکھی جس کا نام ''فضیحۃ المسلمین'' ہے، اور مصنف کا نام ''خرِ معلیٰ'' دیکھ کر سمجھا کہ کوئی کتاب مذاق کی ہے۔ اس لیے نام ہی ایسا ہے، اور مصنف کا نام بھی ویسا ہی ہے۔ اب جو غور کر کے دیکھتا ہوں تو ''فضیحہ'' کے نون کو سر دے کر ''ف'' بنا دیا گیا ہے، اور مصنف کا نام کاتب نے بد املا لکھا ہے۔ خرم کے 'م' کو 'علی' میں ملا کر 'معلیٰ' کی شکل کا لکھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر اعراب لگا دیا ہے۔''۴۶

مولانا احمد رضا خاں شرک و بدعت کے انتہائی خلاف تھے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کے مطابق مولوی اسماعیل دہلوی کی معروف کتاب ''تقویۃ الایمان'' اس عیب سے پُر ہے۔ فاضلِ بریلوی نے ''ق'' کو ''ف'' سے بدل دیا جس کے بعد صرف ایک نقطے کی کمی سے کتاب کا عنوان ''تقویۃ الایمان'' کی بجائے ''تفویۃ الایمان'' ہو گیا۔ تحریفِ حرفی کی ایک مثال مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب ''حفظ الایمان'' کے بارے میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اس کا عنوان ''ف'' کی جگہ ''ب'' کی تبدیلی سے ''خبط الایمان'' کر دیا۔۴۷

مولانا احمد رضا خان کثیر الجہات شخصیت کے حامل انسان تھے۔ انھوں نے حرکات اور حروف کے ذریعے تحریفِ حرفی کے ادبی شہ کار تخلیق کیے۔ انھوں نے نہایت عمدگی سے ادبی دنیا کو لطافت سے نوازا اور لسانی دسترس اور باریکیوں کو برت کر دکھایا جس سے ان کی لسانی مہارت و کمال کا اظہار ہوتا ہے۔

حواشی

۱۔ (i) مصطفیٰ رضا خان، محمد، مولانا شاہ، نوری، ''ملفوظات'' (حصہ اول)، احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی، مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۷۔

(ii) مصطفیٰ رضا خاں، مفتیِ اعظم، ''الملفوظ''، جلد اول، مکتبۂ رضا، بریلی، س ن، ص ۱۵۔

۲۔ قادری، محمد حسن، ڈاکٹر، ''علامہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی و ادبی کارنامے''، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۴۶۔

۳۔ بہاری، ظفر الدین، ''حیات اعلیٰ حضرت''، جلد اول، کراچی، ۱۹۳۸ء۔

۴۔ ''علامہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی و ادبی کارنامے''، ص ۶۳۔

۵۔ مجددی، نقشبندی، مکرم احمد، ''مولانا ڈاکٹر مفتی، فتاوی رضویہ اور فتاوی رشیدیہ کا تقابلی جائزہ''، ضیاء اکیڈمی، کراچی، جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۔

۶۔ مسعود احمد، محمد، ''حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی''، سیالکوٹ، س ن، ص ۹۴۔

۷۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم نے جرمنی سے پی ایچ ڈی کی۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر کے عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضی دانی کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ یہ کہا کہ میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر طویل عرصے سے تحقیق کر چکے ہوں۔ ریاضی کے جس مسئلے کو میں ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکا حضرت فاضل بریلوی نے کچھ ہی دیر میں حل کر کے رکھ دیا۔ (از: مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، لاہور، ۱۹۸۱ء ص ۵۹، ۶۰، ظفر الدین بہاری، ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵)

۸۔ نقشبندی، سعید احمد، محمد، مولانا، ''مختصر حالات امام اہلسنت''، مشمولہ ''احکام شریعت'' از: مولانا احمد رضا خاں، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی، س ن، ص ۳۔

۹۔ (i) مسعود احمد، محمد، پروفیسر ڈاکٹر، ''خلفائے محدث بریلوی''؛ مرتب: محمد عبدالستار طاہر، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۔

(ii) ''علامہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی و ادبی کارنامے''، ص ۴۹۔

۱۰۔ (i) ''خلفائے محدث بریلوی''، ص ۱۹۔

(ii) ''علامہ مولانا نقی علی خاں، ''حیات اور علمی و ادبی کارنامے''، ص ۴۹۔

۱۱۔ ''خلفائے محدث بریلوی''، ص ۱۹۔

۱۲۔ ''علامہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی و ادبی کارنامے''، ص ۴۹۔

۱۳۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، جلد ۱، مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ کراچی، ص ۲۱۰۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۰۸۔

۱۵ ''خلفائے محدث بریلوی''، ص ۱۹۔

۱۶ (i) ایضاً۔

(ii) علامہ مولانا نقی علی خاں، ''حیات اور علمی وادبی کارنامے'' ص ۴۹۔

۱۷ ایضاً۔

۱۸ ماہ نامہ قاری، دہلی (امام احمد رضا نمبر) ماہ اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۳۴۱۔

۱۹ مولانا احمد رضا خاں کی تالیف "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ "مکۃ المکرمہ کے قیام کے دوران میں ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں لکھی گئی اور علمائے عرب وعجم کی تقاریظ کے ساتھ ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار شائع کی گئی۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جسے ۱۹۰۵ء میں لاہور سے شائع کیا گیا۔ اس ترجمے کا افتتاحیہ ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے تحریر کیا۔ یہ کتاب علومِ غیبیہ پر تالیف کی گئی۔

۲۰ مصباحی، یٰسین اختر، مولانا، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، مبارک پور، س ن، ص ۶۵۔

۲۱ ''خلفائے محدث بریلوی''، ص ۲۸۔

۲۲ قادری، مجید اللہ، ڈاکٹر، فاضل بریلوی کی علمی، دینی وتصنیفی خدمات، مشمولہ جنگ، ۸۔ جنوری ۲۰۱۳ء۔

۲۳ مولانا احمد رضا خان کی کتاب "الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم ارحام" ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن لاہور سے بھی شائع ہوا جس پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔ سید وجاہت رسول قادری نے ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کے سلور جوبلی سالنامہ نمبر ۲۰۰۵ء میں فاضلِ بریلوی کی تصانیف کی فہرست باعتبارِ حروفِ تہجی مرتب کی ہے، جس میں پانچ سو اٹھہتر (۵۷۸) کتب کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۴ بریلوی، احمد رضا، امام، الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام، لاہور س ن ص ۱۹ تا ۲۱۔

۲۵ سوانح امام احمد رضا، مکتبۂ نوریہ سکھر، س ن، ص ۳۸۴۔

۲۶ سورۃ الدھر ۱۵، پارہ ۲۹۔

۲۷ ''خلفائے محدث بریلوی''، ص ۲۲۔

۲۸ قادری، محمد الیاس، ''تذکرہ امامِ احمد رضا'' مکتبۃ المدینہ، کراچی، س ن، ص ۲۱۔

۲۹ پاریکھ، رؤف، ڈاکٹر، ہم سب بابو ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک تجزیہ، مشمولہ ''قومی زبان''، کراچی، شمارہ نمبر ۱۰، جلد ۸۵، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۹۔

۳۰ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، قومی انگریزی اُردو لُغت، مقتدرہ قومی زبان (ادارہ فروغ قومی زبان) اسلام آباد، طبع اول ۱۹۹۲ء، طبع پنجم ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۳۔

۳۱ ایضاً۔

۳۲ Qureshi, Bashir Ahmad, Kitabistan's 20th-century Practical Dictionary, The Kitabistan Publishing Co. Lahore. P:85

۳۳ Oxford English Dictionary, Oxford University Press, accessed 16 Febuary 2011.

۳۴ اویسی، فیض احمد، محمد، اسلامی ہنسی مذاق، طبع دوم، ادارہ تالیفات اویسیہ، بہاولپور ۱۴۲۱ھ، ص ۳،۴۔

۳۵ ایضاً، ص ۴۔

۳۶ ایضاً، ص ۳۔

۳۷ ایضاً، ص ۳۳۔

۳۸ ایضاً، ص ۹۲،۹۳۔

۳۹ ایضاً، ص ۱۰۱۔

۴۰ ایضاً، ص ۸۸۔

۴۱ مولانا محمد بشیر کوٹلوی کا اصل نام محمد بشیر اور کنیت ابوالنور اور لقب سلطان الواعظین ہے۔ آپ کے والد گرامی علامہ محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمۃ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ممتاز محدث تھے۔ آپ ان علامہ سید ابوالبرکات علیہ الرحمۃ سے اکتسابِ علم کیا۔ مدحت بھری آواز میں نعتیہ کلام پڑھتے تو عوام حب رسول ﷺ میں تڑپ اٹھتے۔ آپ نے ماہنامہ "ماہِ طیبہ" کا اجرا کیا، بعد میں اس کی ادارت علامہ ضیاء اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ آپ شاعر بھی تھے، نعتیہ مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے بشیر ہی تخلص تھا تاہم مزاحیہ کلام بھی خوب لکھا جس میں آپ کا تخلص حاجی حق حق ہے۔ نہایت حاضر جواب تھے۔ ۲۰۰۷ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی قصبے کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ میں آسودہ خاک ہیں۔

۴۲ ''اسلامی ہنسی مذاق''، ص ۱۷۲۔

۴۳ ایضاً۔

۴۴ (i) بہاری، محمد ظفر الدین، مولانا، ''حیات اعلیٰ حضرت''، ص ۲۴۱۔
(ii) ''اسلامی ہنسی مذاق''، ص ۱۶۱۔

۴۵ ''حیات اعلیٰ حضرت''، ص ۲۴۲۔

۴۶ ایضاً۔

۴۷ ایضاً۔

فہرست اسناد محولہ:

۱۔ بریلوی، احمد رضا، امام: سن ندارد، ''الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام''، لاہور۔

۲۔ بہاری، ظفر الدین: ۱۹۳۸ء، ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''، جلد اول، کراچی۔

۳۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۲۰۰۲ء، ''قومی انگریزی اُردو لغت''، طبع پنجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۴۔ قادری، محمد حسن، ڈاکٹر: ۲۰۰۵ء، ’’علامہ مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی و ادبی کارنامے‘‘، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی۔

۵۔ مجددی، نقشبندی، مکرم احمد: ۲۰۰۵ء، ’’مولانا ڈاکٹر مفتی، فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ‘‘، ضیاء اکیڈمی، کراچی۔

۶۔ ’’سوانح امام احمد رضا‘‘ سن ندارد، مکتبۂ نوریہ، سکھر۔

۷۔ قرآن مجید، ’’سورۃ الدھر‘‘ ۱۵، پارہ ۲۹۔

۸۔ قادری، محمد الیاس: سن ندارد، ’’تذکرہ امامِ احمد رضا‘‘ مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

۹۔ مسعود احمد، محمد: سن ندارد، ’’حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی‘‘، سیالکوٹ۔

۱۰۔ مسعود احمد، محمد، پروفیسر ڈاکٹر: ۲۰۰۵ء، ’’خلفائے محدث بریلوی‘‘؛ مرتب: محمد عبدالستار طاہر، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی۔

۱۱۔ مصباحی، یٰسین اختر، مولانا: سن ندارد، ’’امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں‘‘، مبارک پور۔

۱۲۔ مصطفیٰ رضا خان، محمد: ۲۰۰۹ء، ’’ مولانا شاہ نوری ملفوظات‘‘ (حصہ اول)، احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی۔

۱۳۔ مصطفیٰ رضا خاں، مفتیٔ اعظم: سن ندارد، ’’الملفوظ‘‘، جلد اول، مکتبۂ رضا، بریلی۔

۱۴۔ نقشبندی، سعید احمد، محمد، مولانا: سن ندارد، ’’مختصر حالات امام اہلسنت‘‘، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی۔

۱۵۔ مولانا احمد رضا خاں کی تالیف "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ "مکۃ المکرمہ کے قیام کے دوران میں ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں لکھی گئی اور علمائے عرب و عجم کی تقاریظ کے ساتھ ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار شائع کی گئی۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جسے ۱۹۰۵ء میں لاہور سے شائع کیا گیا۔ اس ترجمے کا افتتاحیہ ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے تحریر کیا۔ یہ کتاب علومِ غیبیہ پر تالیف کی گئی۔

۱۶۔ Qureshi, Bahir Ahmad, Kitabistan's 20th-century Practical Dictionary, The Kitabistan Publishing Co. Lahore.

۱۷۔ Oxford English Dictionary, Oxford University Press, accessed 2011.

اخبار و رسائل:

۱۔ روزنامہ ’’جنگ‘‘، ۸۔ جنوری ۲۰۱۳ء، کراچی۔

۲۔ ماہنامہ ’’قاری‘‘، ۱۹۸۹ء (امام احمد رضا نمبر)، دہلی۔

۳۔ ماہنامہ ’’قومی زبان‘‘، اکتوبر ۲۰۱۳ء، کراچی۔